اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا

جلد نمبر.................. 50
شمارہ نمبر 03
صفر، ربیع الاول...... ۱۴۳۶ھ
دسمبر ۲۰۱۴ء

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

اس شمارے کے مضامین

- نقش آغاز: سانحہ پشاور کا المناک واقعہ اور دینی مدارس کے کردار پر بے جا تنقید۔ ۲
  جمعیت کی مجلس شوریٰ کا اجلاس اور اعلامیہ.....................مولانا راشد الحق سمیع ۳
- عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات......مولانا حافظ عرفان الحق ۵
- مرادِ رسولؐ سیدنا عمر فاروقؓ ....حضرت مولانا حافظ انوار الحق ۱۷
- قبائل، امن اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم.................. جناب فصیح الدّین ۲۴
- سانحہ پشاور اور ہمارے صحافتی رویے، چند گزارشات! ....جناب محمد فضل اللہ ۲۹
- عصر حاضر میں اسلامی قوانین جنگ کی معنویت ....ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی ۳۴
- ملالہ کے ساتھ یورپ کی مسلسل مہربانی.................................مولانا شمس تبریز قاسمی ۴۰
- مولانا سمیع الحق کی نئی انگریزی "طالبان پر یو آنے رڈلے کا تبصرہ...........محمد جان اخونزادہ ۴۶
- شمسی تقویم تاریخ کے تناظر میں .... جناب عبدالرزاق ۴۹
- معذور بچوں کی تعلیم و تربیت...مولانا سعید الحق جدون ۵۶
- افکار و تاثرات .... جناب اشرف علی مروت ۶۰
- دارالعلوم کے شب و روز ....مولانا حامد الحق حقانی ۶۱
- تعارف و تبصرہ کتب .... ادارہ ۶۳

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔
فون نمبر: 630435- 923 92+
فیکس نمبر: 630922- 923 92+
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk
فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/30 روپے۔ سالانہ -/350 روپے۔ بیرون ملک 35$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق، مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

592 / صَفَرٌ، رَبِیْعُ اَوّل ۱۴۳۶ھ، دسمبر 2014ء

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم مولانا راشد الحق سمیع

سانحہ پشاور کا المناک واقعہ
اور دینی مدارس کے کردار پر بے جا تنقید

اَلمیوں کی سرزمین پشاور جو بدقسمتی سے تیس سال سے مسلسل آگ وخون کی زَد میں ہے،اس شہرِ مقتل کی شاید ہی کوئی گلی یا محلّہ گنج شہیداں سے کم ہو۔وطن عزیز تو برسہا برس سے غیروں کی مسلط کردہ جنگ کے لئے میدانِ کارزار بنا ہوا ہے لیکن خصوصاً خیبر پختونخوا،اس کے قبائلی علاقہ جات اوراہل پشاور کی قربانیوں کا کیا کہنا۔۱۶ردسمبر کی تاریخ پاکستان کے لئے ویسے بھی ایک منحوس استعارہ ہے لیکن ایک بار پھر اسی ۱۶ردسمبر کو پشاور کے اے پی ایس سکول میں دہشت گردی کا ایک ایسا افسوسناک، المناک،دردناک اور اپنی نوعیت کا بدترین حادثہ پیش آیا کہ جس نے پاکستان سمیت دنیا بھر میں ایک کہرام مچا دیا۔سکول کے ۱۴۰ سے زائد معصوم، بے گناہ طالب علموں کو ناکردہ گناہوں کی ایسی ہی سزا دی گئی جس طرح کہ ماضی میں باجوڑ کے ایک مدرسے کے ۸۰ سے زائد معصوم حفاظ طالب علموں پر اندھیری رات میں بمباری کرکے شہید کردیا گیا تھا۔حقیقت میں یہ واقعہ اہل پاکستان کے لئے کسی قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔سکول میں سینکڑوں بچوں کی شہادت کے ساتھ ساتھ علم،قلم،کتاب اور بستے کی حرمت کو بھی پامال کردیا گیا جو کہ ہر لحاظ سے انتہائی قابل مذمت اور قابل نفرت اقدام ہے۔

اسلام تو وہ دین فطرت ہے جس میں یہود ونصاریٰ اور حتیٰ کہ مشرکین کے بچوں کی سلامتی دوران جنگ کی حالت میں بھی یقینی بنانے کی تلقین کی گئی ہے اوراس کے لئے خصوصی احکامات اور قوانین موجود ہیں۔ چنانچہ حادثے کے فوراً بعد پاکستان کے تمام دیگر طبقوں کی طرح علمائے کرام، ارباب مدارس اور مذہبی و سیاسی جماعتوں نے اس واقعے کی بھرپور مذمت کی اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، گوکہ اس حادثے میں ایک بھی مدرسے کا طالب علم یا عالم دین ملوث نہیں تھا لیکن پھر بھی مغربی میڈیا اور اُن کی پالیسی ساز اداروں کی منظّم سازش کے تحت پاکستان میں این جی اوز ،سیکولر طبقے اور خصوصاً ''روشن خیال'' جماعتوں نے حسب سابق اس حادثے کا رُخ دینی مدارس،مذہبی سیاسی

جماعتوں کی طرف پھیر دیا اور ملک بھر میں بیچارے بے گناہ مولویوں، ائمہ مساجد اور مدارس کے مدرسین کی پکڑ دھکڑ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور جگہ جگہ چھاپے مارے جارہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مستقبل میں دینی مدارس اور خصوصاً علماء کے کردار کو منجمد ومحدود کرنے کی سازشیں بھی حکمران اوراس کی ہمنوا قوتیں زور وشور سے کررہی ہیں لیکن ان شاء اللہ یہ سازشیں بھی ماضی کے حکمرانوں کے منصوبوں کی طرح بُری طرح ناکام ہوجائیں گی۔حکمرانوں کو اس واقعے کے اصل مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوششیں کرنی چاہئیں اور ان عوامل اور محرکات کو بھی دیکھنا چاہیے جس کی بناء پر اس قسم کا خطرناک اور قابل نفرت ردعمل سامنے آرہا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ میں اس حادثہ کے حوالے سے ختمات قرآن اور ختم بخاری شریف کا اہتمام کیا گیا اور شہداء کے حق میں دعائیں کیں۔

جمعیت کی مجلس شوریٰ کا اجلاس اور اعلامیہ

۲۷۔دسمبر ۲۰۱۴ء کو پشاور میں جمعیت علماء اسلام کی مرکزی شوریٰ کا اجلاس امیر مرکزیہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی زیرصدارت میں منعقد ہوا' جس میں سانحہ پشاور کے بعد پیش آنے والی ملکی صورتحال پر تفصیلی غور کیا گیا اوراس المناک سانحہ کی پرزور مذمت کی گئی اور معصوم بچوں کے والدین اور خاندانوں سے تعزیت کرتے ہوئے ان کے درد وغم میں برابر کا شریک ہونے کا اظہار کیا گیا۔اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق نے مطالبہ کیا کہ اس المناک سانحہ کے درپردہ تمام کڑیوں اور سازشوں کو بے نقاب کیا جائے اور تحقیق وتفتیش کے دوران اِن مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے آئین کی مکمل پاسداری کی جائے اور آئین کو نظرانداز کرکے کوئی بھی قدم اٹھانے سے گریز کیا جائے۔

مجلس شوریٰ نے قرار دیا کہ سانحہ پشاور بھی نائن الیون کی طرح کا واقعہ ہے، جس کی آڑ میں دینی قوتوں، مدارس عربیہ اور علماء ومشائخ کو عداوت کا نشانہ بنایا جارہا ہے، اس سلسلہ میں دین دشمن قوتوں نے سیکولر سیاستدانوں اور نام نہاد دانشوروں نے زہریلے نشتروں کے ساتھ علماء ومشائخ کو نشانہ بنانے کا جو طرز عمل اختیار کیا ہے، جمعیت اس کی بھی شدید مذمت کرتی ہے، جمعیت واضح کرنا چاہتی ہے کہ ملک کسی نئے آئینی بحران کا متحمل نہیں ہوسکتا۔علماء حق اور دینی مدارس ملک کے تحفظ اور اس میں قیام امن کے علمبردار ہیں، ان کو نشانہ بنانے والی قوتیں ملک اور قوم کی خیرخواہ نہیں ہوسکتیں، یہ قوتیں اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کیلئے حکومت اور مقتدر اداروں کو مختلف آئینی مسائل سے دوچار کرنے کی سازش

سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اجلاس میں اس بات کو شدت سے محسوس کیا گیا کہ دینی مدارس کے نظام اورنصاب کو ہدف تنقید بنا کر انہیں دہشت گردی کیساتھ منسلک کرنے کی سازش عالمی استعمار کے ایجنڈے کا حصہ ہے۔ مدارس ،انتہائی محدود وسائل کے ساتھ علوم نبوت، نظریہ پاکستان اوراسلامی تہذیب کا تحفظ کرنے میں مصروف ہیں۔کسی طرح بھی دہشت گردی میں کوئی مدرسہ ملوث نہیں ہے، جن مجرموں کو پھانسی دی گئی ہے، ان میں سے کوئی بھی کسی دینی مدرسے کا فارغ التحصیل نہیں۔ جمعیت محسوس کرتی ہے کہ دینی مدارس کی بجائے حکومتی تعلیمی نظام میں اصلاح کی ضرورت ہے۔مولانا سمیع الحق نے شرکاء اجلاس پر واضح کیا کہ حکومت اور تمام پارلیمانی جماعتوں کا فوجی عدالتوں کے قیام کی ضرورت کومحسوس کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ عدالتی نظام مجرموں کو سزا دینے اورمظلوم کو انصاف دلانے میں ناکام ہے اور اسمیں انقلابی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔ جمعیت نے اس سلسلہ میں سینٹ میں شریعت بل پیش کیا تھا، اب بھی اس کی ضرورت پر زور دیتی ہے۔اجلاس میں دینی مدارس کے موقف اور موجودہ صورتحال پر حکمرانوں کو اپنی تجاویز سے آگاہ کرنے کے لئے مولانا سید محمد یوسف شاہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جو وزیرداخلہ اوردیگر ذمہ دارحکومتی ارکان سے ملاقات کرے گی۔ اجلاس نے متفقہ طور پر طے کیا کہ دینی مدارس، اسلامی تہذیب،نظریہ پاکستان اورعلماء ومشائخ کی جدوجہد کا پوری ایمانی قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا اور جمعیت علماء اسلام ،ملک میں نفاذشریعت کی جدوجہد کومنظم کرکے اپنا قانونی، سیاسی اور مذہبی فریضہ ادا کریگی۔مولانا سمیع الحق نے اپنے خطاب کے دوران جمعیت کی شوریٰ کے ممبران کو ہدایت کی کہ وہ آئی ڈی پیز کے مسائل حل کرنے میں اپنا کردار پہلے سے زیادہ فعال طریقے سے ادا کریں۔ وفاقی اورصوبائی حکومت نے وزیرستان آپریشن میں بے گھر ہونے والوں کو نظر انداز کردیا ہے۔ جمعیت اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہوئے انکے مسائل حل کروائے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری جدوجہد آئینی حدود میں ہے اور یہ ہمارا جمہوری حق ہے کہ ملک میں نفاذ شریعت کا مطالبہ کریں، ہم کسی صورت اس سے دستبردار نہیں ہوسکتے اور ہماری یہ جدوجہد جاری رہے گی۔آخر میں صدر اجلاس قائد جمعیت نے شہدائے آرمی پبلک سکول اور جمعیۃ علمائے اسلام کے بزرگ رہنما جناب حکیم علی احمد، جوہرآباد کیلئے فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مجلس شوریٰ کے اجلاس میں طے ہوا کہ تمام ملک سے آئے ہوئے مہمان علماء کرام اور مشائخ عظام نے حضرت مولانا سمیع الحق کی قیادت میں آرمی پبلک سکول کا دورہ کیا اوروہاں پر معصوم شہداء کی فاتحہ خوانی سمیت بچوں کے والدین سے اظہار تعزیت کی۔

(قسط۳۴) مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی*

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

(۶۸،۱۹۶۷ء کی ڈائری)

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ و اقارب' اہل محلہ و گردوپیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ'تحقیقی عبارت' علمی لطیفہ' مطلب خیز شعر' ادبی نکتہ' اور تاریخی تجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیران ذوقِ مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں...... (مرتب)

والد ماجد نے حضرت غورغشتوی کے ہاتھوں کواپنی آنکھوں اور سینہ پر پھرایا:

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتوی ۲۵ محرم بروز ہفت مطابق ۶رمئی ۱۹۶۷ء ساڑھے تین بجے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، دارالعلوم کے دفتر میں گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کیا۔تحیۃ الوضوء کے بعد والد صاحب ان کے قریب مودبانہ دوزانوں بیٹھے' پھر آپ نے ان سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھروایا، والد گرامی کے سینہ قلب اور آنکھوں پر ہاتھ دیر تک پھیرتے رہے اور دعائیں دیتے رہے، اس وقت آپ پر ایک خاص رنگ چڑھا تھا اور دونوں حضرات انتہائی خشوع میں ڈوب گئے تھے۔حضرت غورغشتوی نے نماز عصر پڑھائی۔بعد از نماز عصر شیخ الحدیث کو والد ماجد نے مسجد کا اندرونی حصہ دکھایا۔دیر تک مسجد میں دعائیں کرتے رہے اور یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ ہماری جگہ کو بھی (غورغشتی کی درسگاہ) اپنے دینی چرچوں سے آباد رکھ اور ویران نہ فرما۔(امین)

---

* مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بڑی ہمشیرہ محترمہ زینب کی خالہ زاد جناب چاند بادشاہ سے شادی:

۱۹/نومبر ۱۹۶۷ء : بڑی ہمشیرہ محترمہ زیب بنت الشیخ عبدالحق مدظلہٗ کی شادی خالہ زاد بھائی جناب میاں چاند بادشاہ ولد میاں مطلب شاہ صاحب جہانگیرہ سے بروز اتوار ۱۶/شعبان ۱۳۸۷ء بمطابق ۱۹ /نومبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی تقریب نکاح بعد از نماز عصر قدیم مسجد میں انجام پائی نکاح حضرت مولانا لطف اللہ جہانگیروی فاضل دیو بند نے پڑھایا شہادت دونوں ماموں صاحبان ، مولانا سیف الرحمٰن و مولانا عبدالحنان فاضل اور تفویض (ولایت) والد صاحب کے چچا جناب عبدالرحمٰن صاحب نے انجام دی برات میں جہانگیرہ سے کوئی ڈھائی سوافراد آئے ۔

۱۹۶۸ء کی ڈائری:

نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب:

جنوری ۱۹۶۸ء ۔۱۰شوال سے دارالعلوم میں نئے تعلیمی سال کیلئے داخلے شروع ہوئے ۔طلبہ کے ہجوم اور کثرت کی وجہ سے مقررہ تعداد پوری ہونے پر داخلہ جلد بند کرنا پڑا ۔۴۰۰ طلباء کا داخلہ ہوا۔

امسال دارالعلوم میں طلباء کی علاقائی تفصیل:

اس سال دارالعلوم کے شعبہ عربی میں پاکستان کے۴۱۲ طلباء نے داخلہ لیا جن میں سے تقریباً ۱۲۰ طلباء دورہ حدیث میں شریک ہیں ۔ان طلباء کی علاقائی تفصیل درج ذیل ہے ۔

پشاور ۳۱۔ مردان ۴۲ ۔کوہاٹ ۸ ۔ بنوں ۲۲ ۔ڈیرہ اسماعیل خان ۱۹۔ کوئٹہ ۵۔ لورالائی ۱۸۔ قلات ۲۔ ژوب ۱۰۔ وزیرستان ۱۶۔ تیراہ ۵۔ چکیسر ۴ ۔ دیر سٹیٹ ۲۳ ۔سوات ۷ ۔بنیر ۳۔ کوہستان ۸ ۔ ہزارہ ۱۹۔ باجوڑ ۱۱ ۔میانوالی ۱۔ کیمبلپور ۳۔مہمند ایجنسی ۶ ۔(افغانستان) خوست ۱۸۔ قندہار ۳۲۔ نورستان ۲۔ ننگرھار ۱۳۔ غزنی ۸ ۔ترکستان ۳ ۔ بدخشاں ۴ ۔لغمان ۲۰ ۔گردیز ۱۵۔ جلال آباد ۲۰۔ پران ۸۔ ہرات ۵ ۔(تھائی لینڈ) ۱ ۔کل تعداد ......۴۱۲ طلبا ۔

۲۱ شوال کو ختم قرآن پاک اور شیخ الحدیث کے درس ترمذی سے تعلیم کا آغاز کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا ابراہیم بلیاوی کی رحلت پر اظہار افسوس:

حضرت شیخ الحدیث والد ماجد نے استاد العلماء حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے علمی مناقب پر روشنی ڈالی ۔آخر میں ان کے حق میں رفع درجات کے لئے دعا کی ۔ اس موقع پر حضرت شاہ وصی اللہ الہ

آبادی اور حضرت مولانا عبدالحکیم بادشاہ صاحب سکنہ بام خیل کی وفات پر بھی اظہار افسوس فرمایا اوران کے لئے بھی ایصال ثواب کیا گیا۔

سفر مشرقی پاکستان:

۲۲رفروری ۱۹۶۸ء: جناب حاجی بشیر الدین بوگرہ کی خواہش واصرار اور تعلیم القرآن سوسائٹی ڈھاکہ (جوایک قومی ادارہ تھا) کی دعوت پر حضرت شیخ الحدیث کو پہلی بار مشرقی پاکستان جانا ہوا راقم الحروف بھی اس پورے سفر میں ساتھ تھا۔۲۲رفروری کو ساڑھے نو بجے پشاور سے بذریعہ جہاز روانگی ہوئی لاہور سے ڈھاکہ کا جہاز بوجہ ہمارے لیٹ ہوجانے کے جاچکا تھا اس لئے رات لاہور ٹھہرنا پڑھا، وہاں پی آئی آے کمپنی نے انٹرنیشنل ہوٹل میں قیام کا انتظام کیا تھا مگر حاجی محمد فاضل صاحب فاضل سنز کے اصرار پر انکے ہاں رات گزاری۔

۲۳رفروری: ۲ بجے ڈھاکہ پہنچے الہلال ہوٹل میں دیگر علماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا عبیداللہ انور، حضرت مولانا حامد میاں حضرت مولانا مجاہد الحسینی، حضرت مولانا عبدالقادر آزاد کے ساتھ قیام کیا۔۲۴رفروری کو عصر اور مغرب کے درمیان جامع مسجد بیت المکرّم میں حضرت والد صاحب کی تقریر ہوئی جبکہ عصر سے قبل میری تقریر ہوئی اس دن دس بجے مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ کی دعوت پر مدرسہ جانا ہوا استقبالیہ تقریب میں حضرت والد صاحب نے بھی تقریر کی۔

۲۵رفروری: جامعہ قرآنیہ لال باغ سولائشن پی آئی اے کے اجتماعات میں شمولیت کی رات کو انجینئرنگ انسٹی ٹیوٹ ہال میں اجتماع سے حضرت والد صاحب نے اختتامی تقریر کی۔۲۶رفروری کو صبح گاڑی سے میمن سنگھ روانگی ہوئی۔

راستہ میں غفار گاؤں اسٹیشن پر وہاں کے لوگوں نے والہانہ استقبال کیا دو پہر سے قبل میمن سنگھ پہنچے جامع مسجد میمن سنگھ میں ظہر کے بعد عصر تک حضرت والد صاحب کی تقریر ہوئی عصر کے بعد حضرت مولانا شمس الحق افغانی کا خطاب ہوا اجتماع میں ۳۰ سے ۴۰ ہزار تک افراد نے شرکت کی اس دوران دارالعلوم میمن سنگھ جانا ہوا شہر کی سیر بھی کی شام کے بعد ریل گاڑی سے ڈھاکہ واپسی ہوئی قیام نواب باڑی ''حسن منزل'' میں خواجہ انیس اللہ صاحب کے مکان پر ہوا یہ سب افراد اسٹیشن پر لینے آئے تھے ۲۷رفروری کو صبح دس بجے ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ سلہٹ روانگی ہوئی ساڑھے دس بجے سلہٹ پہنچے ہوائی اڈے پر جناب شیخ عبدالکریم صاحب امیر جمعیت علماء اسلام کی سرکردگی میں حضرت شیخ مدنیؒ کی مجازین کے علاوہ اور بے شمار معززین

موجود تھے ہوائی اڈہ سے شہر تک کاروں بسوں رکشوں کے ایک بڑے جلوس میں جناب ایم سلیمان خان (جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے عشاق میں سے ہیں) کے مکان پر آکر ٹھہرے ظہر کی نماز درگاہ شاہ جلال یمنی کی مسجد میں پڑھی اور ملحقہ مدرسہ میں تھوڑی دیر بیٹھے اساتذہ اور طلبہ کا ہجوم تھا ساڑھے تین بجے سار دھاہال چلے گئے۔

علماء ومشائخ اور عام مسلمانوں سے ہال کے دونوں منزل کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے احقر کی تقریر آدھ گھنٹہ تک صورت اور سیرت کے موضوع پر ہوئی اس کے بعد حضرت والد صاحب کی تقریر عصر تک ہوئی عصر کے بعد مولانا افغانیؒ کی تقریر ہوئی شام کی نماز نئی سڑک کی اس مسجد میں ہوئی جس میں حضرت مدنیؒ نے ہمیشہ قیام فرمایا مغرب کے بعد حضرت والد صاحب حضرت مدنیؒ کے حجرہ مطہرہ میں کافی دیر تک مراقبہ میں رہے دیگر حضرات بھی کثیر تعداد میں وہاں سمٹ کر بیٹھ گئے والد صاحب پر رقت طاری ہوئی اور کافی دیر تک تمام حاضرین سمیت روتے رہے حضرت والد گرامی نے حضرت مدنی کا جائے نماز سر اور آنکھوں پر رکھا اور حضرتؒ کے خاص خادم ابراہیم صاحب سے کافی دیر تک معلومات لیتے رہے۔

عشاء کے بعد بذریعہ ٹرین چٹا گانگ روانگی ہوئی صبح ۸/ بجے چٹا گانگ پہنچے جناب حاجی بشیر الدین بوگرہ، جناب جمیل الدین صاحب کی منزل میں قیام کیا اور تھوڑی دیر آرام اور ناشتہ کے بعد ہاٹ ہزاری روانہ ہوئے ظہر کی نماز کے بعد وہاں دوستوں اور اساتذہ نے سپاسنامہ پیش کیا ہر دو حضرات کی تقریریں ہوئی مولانا افغانی نے درس بخاری کا افتتاحی درس دیا وہاں سے واپسی میں چٹا گانگ سے ہوتے ہوئے مدرسہ ضمیر یہ پٹیہ کی دعوت پر وہاں گئے یہاں بھی طلباء واساتذہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی دوپہر کا کھانا یہاں تھا نماز ظہر کے بعد مسجد ہال میں استقبالیہ تقریب ہوئی عصر کے بعد متصل واپسی ہوئی شام کی نماز بندرگاہ میں پڑھی اور ایک بحری جہاز کے نوجوانوں کی خواہش پر جہاز میں نماز پڑھی گئی شام کے بعد مسلم انسٹیٹیوٹ ہال کی اجتماع میں شرکت کی اور حضرت والد صاحب کی ایمان پرور تقریر ہوئی صدر جلسہ پرنسپل رضاء الکریم صاحب نے تقریر کا خلاصہ بنگلہ میں بیان کیا ساڑھے دس بجے رات تک جلسہ جاری رہا۔

۲۹ فروری: کو صبح ڈھاکہ بذریعہ ٹرین واپسی ہوئی ڈھاکہ میں نواب باڑی والی منزل میں قیام ہوا۔
یکم مارچ کو دیگر حضرات وطن واپس تشریف لے گئے اور اہل خانہ کے اصرار پر والد صاحب ٹھہر گئے مگر مغرب سے قبل جناب جمیل الدین صاحب ٹھٹھہ اور جناب مجتبیٰ احسن صاحب کے مکان پر جانا ہوا۔

آیت انا عرضنا الا مانة الخ اور ایک حدیث کی نہایت عالمانہ تشریح کی دعوت میں کافی معززین

موجود تھے عشاء کی نماز کے بعد نواب باڑی جامع مسجد میں ڈھائی گھنٹے تقریر فرمائی ۲ مارچ از ظہر چار بجے مجتبیٰ احسن صاحب ایس ای اکبر ڈائریکٹر سٹیٹ بینک حاجی صاحب ایڈیٹر انگریزی ماہنامہ مولانا محی الدین صاحب ومیزبان کی معیت میں سنار گاؤں (قدیم دارالخلافہ) دیکھنے گئے اولیاء اللہ اور بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی یہاں سے قریب سلطان بلبن کا مزار بھی نظر آیا دریا ستیا لکھی کاروں سمیت لانچ میں عبور کرنا پڑا عصر کی نماز یہاں پڑھی شام کی نماز کبیر صاحب کی دعوت پر ان کے مکان میں پڑھی انہوں نے اپنا چڑیا گھر دکھلایا اور چائے کی دعوت ہوئی ہرن کی کھال تحفہ میں پیش کی رات نواب باڑی میں ٹھہرے اور آخر وقت تک پورے خاندان کے مجمع میں نہایت علمی اور حکیمانہ باتیں رہیں۔

۳/مارچ: ۳ بجے ڈھاکہ ائیر پورٹ سے روانگی ہوئی خواجہ خاندان کے اکثر افراد مولانا محی الدین مجتبیٰ حسن وغیرہ حضرات نے الوداع کہا مشرقی پاکستان میں یہ تمام دن وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ میں نہایت مصروفیت کے ساتھ گزارے بے شمار علماء ہر جگہ دیوبند کے زمانہ کے تلامذہ اور کافی فیض یافتہ ہر جگہ پہنچے۔ شام کو لاہور سے خیبر میل سے روانہ ہو کر ۴/مارچ ۶۸ء کو صبح بخیریت گھر پہنچے **ولله الحمد والمنه**

مشرقی پاکستان حال بنگلہ دیش کے سفر کے بارہ میں تاثرات: (ماہنامہ الحق کا اداریہ)

پچھلے ماہ راقم کو وطن عزیز کے مشرقی حصہ مشرقی پاکستان جانے اور آٹھ دس دن تک وہاں کے مسلمان بھائیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ڈھاکہ کے چند اہل خیر اور دینی درد رکھنے والے حضرات (جن میں حاجی بشیر الدین بوگرہ اور ان کی فرم جمیل الدین لمیٹڈ پیش پیش تھے) کی خواہش تھی کہ ملک کے مغربی حصہ کے علماء اور اکابر یہاں تشریف لا کر مسلمانوں کو اپنے خیالات سے محظوظ کریں، اس خواہش میں یہ جذبہ بھی شامل تھا، کہ دونوں حصوں کے اہل علم کا باہمی تعاون ہو اور یہاں کے دینی عواطف، ملی احساسات اور جذبات کا مشاہدہ بھی ان علماء کو ہو سکے۔ دینی جذبات سے معمور ان حضرات نے تعلیم القرآن سوسائٹی کے نام سے ایک خالص قومی تبلیغی ادارہ قائم کیا ہے اور اس انجمن کی طرف سے انہوں نے قرآنی تعلیمات پر اجتماعات کا پروگرام بنایا اور مشرقی ومغربی پاکستان کے چند علماء کو دعوت دی چنانچہ اس دعوت پر مغربی پاکستان سے حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلۂ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلۂ، مولانا عبید اللہ انور انجمن خدام الدین لاہور، مولانا حامد میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور، مولانا مجاہد الحسینی لائل پور، مولانا عبدالقادر آزاد بہاولپور۔ ۲۲ فروری کو ڈھاکہ تشریف لے گئے مدعوین میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلۂ اور

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کراچی بوجہ سفر حج یہ دعوت قبول نہ کر سکے۔ وہاں کے بعض مخلص احباب نے ایک طالب العلم کی حوصلہ افزائی کے طور پر ناچیز کو بھی دعوت دی اور بطور ادنیٰ خادم کے مجھے اس سفر میں دینی اجتماعات کی شمولیت، حضرات اکابر کی رفاقت، اور وہاں کے اہل علم، دینی اداروں اور پہلی بار وطن عزیز کے ایک مردم خیز، زرخیز، دینی احساسات اور سیاسی بیداری سے مالا مال خطہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس مختصر دورہ میں ہر جگہ ان حضرات نے اپنے گہرے نقوش اور اثرات چھوڑے۔ حضرت علامہ افغانی کی علمی شخصیت اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور اتحاد بین المسلمین پر انکی پُر مغز تقاریر، حضرت مولانا انور کی بے مثال تواضع، کریمانہ اخلاق، مولانا حامد میاں صاحب کی پُر وقار شخصیت، مولانا مجاہد الحسینی کا سیاسی شعور اور آزاد صاحب کی شعلہ بیانی سے ہر جگہ لوگوں نے گہرا اثر لیا۔ تعلیم القرآن سوسائٹی کے فعال اور سرگرم کارکن مولانا محی الدین خان صاحب کی رفاقت اور مدبرانہ رہنمائی پورے سفر میں حاصل رہی اس سفر میں وہاں کی دینی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے جو گوشے کچھ نہ کچھ سامنے آئے، اُن مشاہدات اور تاثرات کی یہاں گنجائش نہیں۔ سفر کا مختصر حال یہ ہے کہ ۲۳ اور ۲۴ فروری کو سوسائٹی کے زیر اہتمام ڈھاکہ کی وسیع اور پر شکوہ جامع مسجد بیت المکرّم میں عام اجتماعات ہوئے، علماء کرام نے اردو اور بنگلہ میں قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں اور مسلمانوں کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالی ان اجتماعات میں ڈھاکہ کے لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ۲۵ فروری کی ظہر کو ڈھاکہ کے سب سے بڑے آڈیٹوریم انجینئرنگ انسٹی ٹیوٹ ہال میں اجتماع ہوا جس میں ڈھاکہ کے معززین شرفاء اور فہمیدہ حضرات مدعو تھے۔ اس مجلس میں قرآن کریم پر کچھ مقالے پڑھے گئے اور چند تقریریں ہوئیں، ان ہی ایام میں ڈھاکہ کے کئی علمی اور دینی اداروں میں بھی انکے منتظمین کی خواہش پر جانا ہوا، مدرسہ اشرف العلوم، جامعہ قرآنیہ لال باغ، مدرسہ امداد العلوم، ادارہ المعارف جو ڈھاکہ جیسے مرکزی شہر کے علمی اور دینی مراکز ہیں اور ہر لحاظ سے مرکز کے شایان شان اور اس خطہ کی دینی روایات کے آئینہ دار ہیں۔ ان اداروں میں استقبالیہ تقریبات ہوئیں، اساتذہ وطلباء اور منتظمین نے نہایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ کیا، اور تقریبا ہر ادارہ میں حضرت شیخ الحدیث اور حضرت افغانی صاحب نے خطاب فرمایا۔ مشرقی پاکستان کے دیگر علاقوں میں بعض مدارس عربیہ، اور دینی ملی اداروں اور اہل علم حضرات نے تعلیم القرآن سوسائٹی کی وساطت سے ان حضرات کی زیارت اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ چنانچہ ڈھاکہ کے سہ روزہ پروگرام کے بعد ۲۶ تاریخ کو بذریعہ ٹرین میمن سنگھ جانا ہوا۔ مولانا فیض

الرحمان صاحب جو پورے ضلع میں اثر و رسوخ اور دینی اعتماد رکھنے والے بزرگ ہیں، نے جلسے کا انتظام فرمایا تھا۔راستہ میں اور پھر میمن سنگھ میں مسلمانوں کی محبت اور علماء سے گرویدگی قابل دید تھی۔ظہر کے بعد شہر کی جامع مسجد میں جلسۂ عام تھا، سامعین کا ایک سیلاب تھا جو دور دراز سے آمڈ ایا تھا۔اندازاً تیس چالیس ہزار کا مجمع تھا جو عشاء تک پورے اطمینان سے جما رہا۔ یہاں تھوڑی دیر کیلئے مولانا نورالدین صاحب کی دعوت پر مہمانوں کو دارالعلوم میمن سنگھ بھی جانا ہوا اور مدرسہ کے نظم ونسق سے سب متاثر ہوئے، رات کو میمن سنگھ سے ڈھاکہ واپس ہوئے۔ ۲۷ کی صبح کو بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے سلہٹ جانا ہوا۔سلہٹ بنگال میں اپنے وقت کے سرتاج اولیاء حضرت شاہ جلال مجرد یمنیؒ کا مدفن اور قریبی زمانہ میں تقریباً نصف صدی تک قطب وقت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی خصوصی توجہات اور عنایات کا مرکز رہا ہے۔حضرتؒ کی مسیحائی کے اثرات چپہ چپہ سے نمایاں ہیں۔ اہل علم اور اکابر دیو بند سے گرویدگی اور مہمانوں سے جو محبت یہاں دیکھنے میں آئی وہ بے نظیر تھی۔ ہوائی اڈا پر استقبال کرنے والے بیشمار لوگوں میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے کئی خلفاء اجل بھی جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان کے امیر حضرت مولانا شیخ عبدالکریم کی سرکردگی میں موجود تھے۔ یہاں کی جمعیۃ بڑی فعال منظم اور سرگرم ہے۔ہوائی اڈا سے شہر تک چھ میل کا طویل راستہ ان اکابر کے متعلق ترحیبی نعروں، اسلام اور جمیعۃ العلماء اسلام زندہ باد اور اسلامی آئین کے مطالبوں سے گونج اٹھا۔

جس علم دوست بزرگ کے مکان پر قیام تھا۔ایم سلیمان خان صاحب، حضرت شیخ مدنیؒ کے دیرینہ خدام اور عشاق میں سے تھے اور ان کا وجود اصلاح نفس وتزکیۂ اخلاق میں حضرت مدنیؒ کا ید طولیٰ رکھنے کا بین ثبوت تھا۔ دنیاوی وجاہت اور ثروت بے شمار حشم وخدم کے ہوتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں سے علماء کے لئے کھانا تیار کر رہے تھے اور سارا خاندان بچھا جا رہا تھا جس کو دیکھ کر **من تواضع لله رفعهُ الله**۔ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا،ظہر کی نماز حضرت شاہ جلال یمنیؒ کی مسجد میں پڑھی گئی اور تھوڑی دیر کیلئے درگاہ سے ملحق مدرسہ کی دعوت پر مدرسہ میں بھی جانا ہوا۔ تین بجے جمعیۃ العلماء کی طرف سے حضرت مولانا الشیخ عبدالکریم صاحب امیر جمعیۃ کی صدارت میں ساردھا ہال میں جلسۂ عام شروع ہوا۔ اجتماع کا یہ عالم تھا کہ آغاز جلسہ سے پہلے ہی ہال کی دونوں منزلیں کھچا کھچ بھر گئی تھیں، اور باہر احاطہ میں لوگوں کے ہجوم میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بے چینی اور اضطراب میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ منتظمین کو جلسہ ہال سے باہر میدان میں منتقل کرنا پڑا۔ جمعیۃ العلماء اور دینی مدارس کی طرف سے علماء نے سپاسنامے پیش کئے۔ جلسہ میں

اکثریت اہل علم، مشائخ اور دیندار لوگوں کی تھی۔ چنانچہ یہاں علماء کرام کے باہمی ضبط و تنظیم کی ضرورت اور اہمیت پر بھی تقریریں ہوئیں۔ جلسہ شام کی نماز تک جاری رہا۔ شام کی نماز ہم نے نئی سڑک کی اس تاریخ مسجد میں ادا کی جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ ۳۰۔۳۵ سال تک تعطیلاتِ رمضان میں قیام فرماتے اور ارض بنگالہ کے تشنگان رشد و ہدایت کو معارف ربانی اور اپنے انفاس قدسیہ سے سیرابی بخشتے۔ حضرت شیخؒ کی نسبت سے اس مسجد اور ملحقہ حجرہ مبارکہ اس کی سادگی اور ماحول نے ایک عجیب سماں باندھا اور حضرت کے لاثانی ایثار، راہ خدا میں قربانی، جفاکشی اور اصلاح خلق کے لئے بے مثال جدوجہد اور ریاضت کے انمٹ نقوش دل و دماغ پر ابھرے اور بقدر عقیدت اور نسبت ہر ایک کے جذبات میں ایک عجیب تلاطم برپا کر گئے، یہاں کے در و دیوار سے عشق اور فنائیت کی بُو محسوس ہوئی۔ شاید شاعر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو ؎

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف او رزدہ است　　　هنوز از سرِ آں بُوئے عشق می آید

یہاں کے سبزہ زاروں اور گھنے جنگلات میں بلبل چہک رہے تھے، جیسے بول رہے ہوں کہ [۱]

ع　　یہ وہ وادی ہے اے ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

سلہٹ کے مختصر قیام میں خلوص و محبت کی بے حساب یادیں اپنے ساتھ لیکر نگاہ حسرت (جو ابھی سیر کہاں ہوئی تھی) ڈالتے ہوئے رات کو بذریعہ ٹرین چٹاگانگ روانہ ہوئے، محبین، مخلصین اور بزرگوں نے جس شوق اور ولولہ سے پذیرائی کی تھی ویسے ہی جذبات محبت سے الوداع کہا۔

۲۸ کی صبح کو ہم چٹاگانگ پہنچے۔ مشرقی پاکستان کے مقتدر اور صاحب خیر بزرگ حاجی بشیر الدین بوگرہ کی فرم جمیل الدین لمٹیڈ کے ہاں قدرے قیام کیا۔ چاٹگام کے مضافاتی علاقوں میں یہاں کے دو عظیم الشان مدارس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری اور مدرسہ ضمیریہ پٹیہ دیکھنے گئے، ہر دو مدرسے یہاں کے مسلمانوں کے دینی علوم سے شغف کے زندہ نمونے ہیں۔ اول الذکر میں تو بارہ سو تک طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دیگر مدارس میں بھی طلبہ کی تعداد ۵،٦ سو کے لگ بھگ رہتی ہے۔ برمی سرحدات یہاں سے قریب ہونے کی وجہ سے کئی برمی طلبہ بھی یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، سلہٹ کی طرح یہاں کے مدارس کے کئی اساتذہ اور اکثر علماء حضرت افغانی

---

[۱] اس مصرع میں بلاتشبیہ حضرت مدنیؒ کی محبوبیت کی وجہ سے وادئ سلہٹ سے محبت و تعلق کا اظہار مقصود تھا، الحق میں اسے پڑھ کر بعض احباب و اکابر مثلاً مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مرحوم اور رفیق عزیز مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے اسے غیر مستحسن کہا مگر عشق کے عالم میں عارف جامی اور حافظ شیرازی کے پورے دیوان پردۂ مجاز کا سہارا لینے کی اجازت دے رہی ہیں اس وجہ سے یہ مصرعہ برقرار رکھا گیا۔　　ع　سلام علی نجد و من حل بالنجد

اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ان کے زمانہ تدریس دارالعلوم دیو بند میں تلمذ حاصل کر چکے تھے۔ ۲۰، ۲۵ سال بعد اپنے اساتذہ سے ملاقات ان حضرات کو عجیب نعمت محسوس ہوئی۔ ہر دو مدارس میں جو چٹا گانگ کی مختلف سمتوں پر واقع ہیں، مختصر استقبالیہ جلسے ہوئے، درس بخاری کے علاوہ تقریریں ہوئیں۔ نماز مغرب کے بعد چٹا گانگ شہر کے تجارتی علاقہ کے وسط میں مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کے وسیع لان میں جلسۂ عام کا انتظام تھا۔ جناب رضاء الکریم صاحب پرنسپل سٹی کالج چاٹگام کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ رات گئے تک اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی دینی زندگی ورپیش آمدہ مسائل پر تقریریں ہوئیں دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی اردو تقاریر کا خلاصہ بنگلہ زبان میں سنایا گیا خود صدر جلسہ نے یہ ترجمانی بہترین طریقہ سے کی۔

۲۹ فروری کی ظہر کو سب حضرات ڈھاکہ واپس پہنچے واپسی میں ڈھاکہ کے مشہور خواجہ خاندان کی خواہش پر ان کے ہاں احسن منزل نواب باڑی میں قیام رہا۔ اہل علم بالخصوص اکابر دیو بند کے ساتھ اس خاندان کا والہانہ تعلق ہے۔ برصغیر کی مشہور شخصیتوں میں سے حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ مولانا آزادؒ اور دیگر اکابر کا شرف میزبانی اس مکان کو حاصل ہے۔ نواب خواجہ انیس اللہ صاحب اور ان کے تمام خویش و اقارب انکساری، خلوص اور محبت کے پیکر ہیں۔ خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ دیگر حضرات یکم مارچ کو ڈھاکہ سے لاہور واپس ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ خواجہ برادری کے اصرار پر دو دن مزید ان کے ہاں ٹھہرے۔

مشرقی پاکستان اولیاء اللہ اور بزرگوں کی سرزمین ہے۔ ۲ مارچ کو ڈھاکہ کی مضافاتی آبادی میر پور میں حضرت شاہ علی بغدادیؒ کے مزار کی زیارت کی نیز ڈھاکہ سے بتیس میل دور قدیم دارالخلافہ ''سنار گاؤں'' بھی گئے۔ یہاں کے قدیم اور بوسیدہ کھنڈرات میں کئی اولیاء اللہ محو استراحت ہیں۔ آبادی سے کچھ دور سلطان غیاث الدین بلبن کا مزار ہے۔ سنار گاؤں میں حضرت شاہ شمس الدین ابو توامہؒ حضرت مخدوم شرف الدین منیری کی اہلیہ محترمہؒ حضرت ابراہیم دانشمندؒ حضرت یوسف دانشمندؒ حضرت شاہ کامل شاہؒ اور دیگر بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۳ مارچ کو بوقت ظہر ڈھاکہ سے روانہ ہو کر عصر سے قبل لاہور پہنچے، اس پورے سفر میں جس چیز نے سب کو بے حد متاثر کیا وہ یہاں کے عام مسلمانوں کا دینی جذبہ، اسلام سے گرویدگی اور تعلق تھا۔ مساجد، مدارس اور علماء کی اتنی کثرت بمشکل دوسرے علاقوں میں ہو گی، بعض حضرات نے بتلایا کہ صرف مسلک دیو بند سے تعلق رکھنے والے علماء کی تعداد ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اگر یہ طاقت منظم اور مربوط ہو کر زیادہ جوش وخروش سے دینی میدانوں میں اُترے تو ساری دینی مشکلات ختم ہو سکتی ہیں۔ لوگوں کے دین ذوق وشوق اور ولولہ کا نتیجہ تھا کہ اُردو نہ سمجھنے والے بھی گھنٹوں سکون اور عقیدت سے

جلسوں میں بیٹھے رہتے۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں باہمی تعاون اتحاد اور مکمل یگانگت کی ضرورت پر مشتمل تقریریں بھی ان لوگوں نے بڑی دلجمعی سے سنیں، جبکہ یہاں یہ چیز مادی یا سیاسی مقاصد پر استوار تقریبات میں دیکھنے میں نہیں آتی جس سے یہ حقیقت اور بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس ملک کا اتحاد، استحکام اور باہمی ربط وتعلق صرف اور صرف اسلام، اسلامی اقدار اور دینی روابط ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ چیز تب حاصل ہوگی کہ مرکزی قوت خود اس لحاظ سے اپنی ذمہ داری محسوس کرے۔جو تعلق عقیدہ پر مبنی ہو اس کی جڑیں دلوں کے اندر جاگزین ہوتی ہیں۔ دیگر امور، ذرائع اور وسائل سے استحکام کی کوششیں دونوں ملکوں کے مواصلاتی نظام کی طرح نقش برہوا یا نقش برآب ثابت ہوسکتی ہیں۔فانی رشتے فانی اور تغیر پذیر ہیں۔اسلام ہی ایک ایسی قوت ہے جس نے برصغیر کے پراگندہ مسلمانوں کو ناقابل شکست طاقت بنایا تھا اور آج بھی یہی طاقت مشرق ومغرب کو ایک لڑی میں پروکر اپنے نام لیواؤں کو جسدِ واحد بناسکتی ہے۔حیرت ہے کہ بعض لوگ مغربی تہذیب کے شجرۂ خبیثہ کے سایہ میں بیٹھ کر اپنی بقاء ترقی اور استحکام کیلئے کیسے کیسے طریقے سوچ رہے ہیں۔عورتوں اور مردوں کے باہمی اختلاط اور رقص وسرور کی تقریبات کے ذریعہ ہرگز جغرافیائی اور قومی امتیازات مٹائے نہیں جاسکتے۔تاریخ کے ہر دور میں یہ حد بندیاں صرف اسلام ہی سے مٹ سکی ہیں۔

دوسری چیز جو یہاں کے دینی تصلب کی آئینہ دار ہے وہ یہ تھی کہ ڈھاکہ، چٹاگانگ جیسے اہم شہروں کی شاہراہوں اور گلیوں میں ہمیں عریانی اور بے پردگی اور لباس وعادات واطوار میں یورپی فیشن کی وہ وبا نظر نہ آئی جو بدقسمتی سے ہمارے ہاں کے تمام اہم شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے دینی اثرات کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مادی اور صنعتی ترقیات حاصل کرتے ہوئے اس نام نہاد تہذیب اور نئی روشنی سے یہ علاقہ محفوظ رہے، جس نے مسلمانوں کو اپنے اقدار سے بیگانہ کرکے ہزاروں معاشی اور سماجی مسائل کھڑے کردئے ہیں مگر افسوس کہ یہ امید پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔مغربی پاکستان کی طرح وہاں بھی آئے دن ثقافت ، کلچر اور ثقافتی طائفوں وغیرہ کے مظاہروں کے ذریعہ دینی گرفت کو کمزور کیا جارہا ہے، اس کی ایک مثال چٹاگانگ میں ہمارے سامنے آئی کہ قرآن کریم کے نام سے منعقد ہونے والے اجتماع کو مسلم ہال کے اندر انعقاد کی اجازت نہ مل سکی اور منتظمین کو باہر لان میں انتظام کرنا پڑا۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چونکہ کل پرسوں اسی ہال میں چینی طائفہ کے رقص وسرور کا پروگرام ہے اس لئے اس کے اہتمام میں راتوں رات ہال کی آرائش ضروری ہے، جبکہ شہر کے شرفاء نے ان خرافات سے اپنی بے زاری بھی ظاہر کردی تھی۔

ایک اور چیز جو پوری سنجیدگی سے غور وفکر کی مستحق ہے، وہ اس علاقہ میں کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات ہیں، کمیونزم کے حق میں بعض عناصر علانیہ جگہ جگہ مظاہرے کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔اس قسم کا ایک

جلوس دیکھنے کا اتفاق چٹا گانگ میں ہوا جو کمیونزم کے حق میں مظاہر کر رہا تھا۔ کمیونزم کا لٹریچر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جو شہروں اور اسٹیشنوں کے بک سٹالوں پر بافراط نظر آتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنا آئیڈیل ماؤزے تنگ اور کارل مارکس کو بناتا جا رہا ہے جس کی بنیادی وجہ دینی تعلیم سے غفلت اور پھر اب تک اسلام کے عادلانہ معاشی نظام سے گریز کرنا ہے۔ مختلف طبقات کی معاشی مشکلات اور ناقابل برداشت طبقاتی تفاوت کا علاج اسلام ہی میں ہے، مگر جب اذہان اس اٹل سچائی کے بارہ میں اب تک تذبذب اور تشکیک کا شکار ہوں تو اس نسخۂ شفاء کو آزمائیں تو کیسے؟

ملک کی صحافت پر جو بنگلہ اور انگریزی اخبارات چھائے ہوئے ہیں۔ ان کی اکثریت اسلام اور اس کے اساسی نظریات کو اہمیت نہیں دیتی ایک اہم انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کے متعلق سُنا کہ وہ اسلام کو صرف دوقومی نظریہ کی کامیابی اور ملک کی تقسیم تک ضروری سمجھتا رہا۔ اب جب ہم ایک قوم ہیں تو اسلام اور دین کی کیا ضرورت ہے؟ ایک دوسرے اخبار کے مدیر اسلامی مضامین کی اشاعت سے اس لئے کنارہ کشی کرتے رہے کہ اس طرح نہ اشتہار ملیں گے اور نہ اونچے طبقہ میں پرچہ مقبول رہ سکے گا، کمیونزم کے توڑ کیلئے ضرورت ہے کہ وہاں کی علاقائی زبانوں میں اور صحافت کے میدان میں اسلامی جذبات کو برقرار رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے اس سلسلہ میں علماء پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر ہمیں ملک، قوم اور اپنی اقدار و روایات کی حفاظت محبوب ہے تو ہمیں اوروں کے غیر منصفانہ معاشی نظاموں سے ہٹ کر اسلام کے حصار میں ملک کے تمام طبقوں کو فارغ البالی، اور آرام و راحت کی زندگی مہیا کرنی ہوگی۔ کمیونزم، جبر و استبداد، لوٹ کھسوٹ اور فاقہ کشی سے پھیلتا ہے، جس کا علاج کمیونزم میں نہیں جو بجائے خود ایک مہلک مرض اور ناسور ہے، بلکہ اس کا مداویٰ صرف محمد عربی فداہ ابی و اُمی کے دامن عاطفت میں مل سکتا ہے۔ جس ملک کو خدا نے بے حساب قدرتی وسائل اور مادی نعمتوں سے نوازا ہے ناممکن ہے کہ صحیح منصوبہ بندی کے ہوتے ہوئے کسی باشندے کو فارغ البالی نصیب نہ ہو سکے۔ کمیونزم کے علاوہ دیگر علمی اور فکری فتنے بھی وہاں آ رہے ہیں۔ قادیانیت پوری تیزی سے اپنی جڑیں پھیلا رہی ہے وہاں کے بعض حضرات کے کہنے کے مطابق دیناج پورے سے ۴۰ میل دور بھارتی سرحد کے قریب ان لوگوں نے کسی طریقے سے ۵ گاؤں حاصل کر کے وہاں احمد نگر کے نام سے ایک مرکز بسانا شروع کر دیا ہے۔ پتہ نہیں ہماری نگاہ کیوں اس طرف نہیں جاتی کہ یہ چیز سیاسی نقطۂ نظر سے کتنی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔! کیا ملک کے دونوں حصوں میں ان لوگوں کا سرحدی علاقوں ہی کو خاص نشانہ بنانا کسی خاص سکیم کی غمازی تو نہیں کر رہا؟ عیسائیت مشنریوں کے نام پر

اپنے کام میں مصروف ہے۔ بھارت بھی یقیناً درپردہ شرارتوں سے اُدھار نہیں کھاتا۔ اس ملک کے باشندوں کے دینی احساسات، حب الوطنی اور پھر جغرافیائی نزاکت کے ہوتے ہوئے ان بے احتیاطیوں پر باشعور لوگ خون کے آنسو روتے ہیں۔ یہاں تو ہر اس چیز پر کڑی نگاہ رکھنی تھی جس سے اس ملک کی رائے عامہ پر اسلام کا تسلط کمزور اور مجروح اور لادینی عناصر کو اُبھرنے کا موقعہ مل سکتا ہو۔ مگر۔ ہائے افسوس! کہ جب احساسِ زیاں ہی نہ رہے تو پھر متاعِ کارواں کا خدا ہی محافظ ہے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ ملک کے یہ دونوں حصے اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو کر پھلیں پھولیں اور پوری اتحاد و یگانگت سے اس ملک کی دینی اور مادی تعمیر و استحکام میں دونوں رواں دواں رہیں کہ ہر ایک کی ترقی اور تر و تازگی پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے۔ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل — سمیع الحق یکم محرم ۱۳۸۸ھ

حضرت نور المشائخ کے فرزند کی دارالعلوم آمد

مارچ: ۷ ذی الحجہ کو افغانستان کے مشہور شیخ طریقت حضرت نور المشائخ کے فرزند اکبر حضرت ضیاء المشائخ فضل عثمان مجددی نقشبندی دارالعلوم تشریف لائے تعطیلات کی وجہ سے تعلیمی نظام کا معائنہ تو نہ کر سکے لیکن دارالعلوم کے انتظامی شعبوں کا معائنہ حضرت شیخ الحدیث والد ماجد کی معیت میں فرمایا، پھر کتاب الاراء میں تاثرات قلمبند فرمائے۔ نماز عصر آپ نے دارالعلوم کی مسجد میں ادا کی۔

برخوردار حامد الحق کا ختنہ

۲۲ مارچ: برخوردار حامد الحق سلمہ کا ختنہ آج بحمد للہ بغیر رسم و رواج کے سادہ طریقے پر کر دیا گیا۔

نوشہرہ کالج میں محفل حسن قرات کی صدارت اور خطاب:

۱۶ ذی الحجہ: شیخ الحدیث والد صاحب نے نوشہرہ کالج میں محفل حسن قرات کی صدارت فرمائی تقریب میں دیگر معززین کے علاوہ ڈپٹی سپیکر صوبائی اسمبلی جناب سید یوسف علی شاہ صاحب بھی موجود تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے صدارتی خطاب میں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلام کی رہنمائی، علم کی فضیلت اور قرآن کریم کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اس محفل میں مختلف کالجوں اور سکولوں کے طلباء نے حصہ لیا۔ سکول کے طالب علموں میں دارالعلوم کے شعبہ تعلیم القرآن مڈل سکول کے طالب علم ہدایت الرحمٰن (حضرت شیخ الحدیث کے چچازاد بھائی خلیل الرحمٰن مرحوم کے فرزند اور شیخ الحدیث کی صاحبزادی تاوفات والدین کی خاص خدمت گزار خالدہ بی بی کے شوہر) نے پہلا انعام حاصل کیا۔

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوارالحق صاحب
ضبط وترتیب مولانا حافظ سلمان الحق حقانی

مرادِرسول ﷺ سیدنا عمر فاروقؓ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [سورہ توبہ:100]

’’اور وہ سبقت لے جانے والے جنہوں نے سب سے پہلے (دعوت ایمان پر) لبیک کہا مہاجروں میں سے اور انصار میں سے، اور وہ جوان کے پیچھے آئے راست بازی کے ساتھ، راضی ہوگیا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوگئے اُس سے اور مہیا کررکھے ہیں اس نے ان کے لئے ایسے باغات کہ بہہ رہی ہیں ان کے نیچے نہریں، رہیں گے وہ ان میں ہمیشہ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔‘‘

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ولقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یك فی امتی احد فانه عمر (متفق علیه)

’’حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت نے فرمایا کہ تم سے پہلے امتوں میں محدثین ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔‘‘

محترم سامعین! گزشتہ جمعہ کو آپ حضرات کے سامنے نبی کریم ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ کے بارے میں اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی پر اختصار کے ساتھ کچھ معروضات ذکر کئے تھے کہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر کامل ترین طریقے سے ایمان لائے اور پھر اس ایمان کا حق بھی ادا کردیا۔ ہم تو اکثر یہ شعر پڑھتے اور سنتے ہیں’’جان دی ہوئی اس کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا‘‘

صحابہ کرامؓ کی لازوال قربانیاں:

مگر صحابہ کرامؓ نے اس زندگی کا حقِ المقدور حق ادا کردیا تھا اور حضور ﷺ کی اتباع میں اپنے تن من دھن کی قربانی پیش کرکے رب العالمین کے دربار سے رضی اللہ عنہم کا لازوال اور بے مثال پروانہ اور سرٹیفکیٹ

حاصل کیا۔ بہرحال صحابہ کرام تو سب کے سب افضل ترین ،کامل ترین اور بہترین مومنین تھے مگر سب سے افضل خلیفہ اول ، نبی کریم ﷺ کے سفر وحضر کے ساتھی ،یار غار حضرت عائشہؓ کے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔جن کے ذکر خیر کرنے کی سعادت ہم نے پچھلے جمعہ کو حاصل کی۔آج خلیفہ دوم، مراد رسول علیہ الصلوۃ والسلام امام عادل حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں چند باتیں عرض کرنے کی کوشش کرونگا،

پیدائش اور بچپن کا مشغلہ:

حضرت عمر فاروقؓ ہجرت سے قریبا ۴۰ سال قبل پیدا ہوئے اور بچپن سے اونٹوں کے چرانے کی ذمہ داری سونپی گئی کیونکہ یہ عرب کا قومی مشغلہ تھا مگر حضرت عمر فاروقؓ کے والد خطاب ان سے بڑا بے رحمی اور غیض و غضب کا سلوک کرتے ،خلافت کے زمانہ میں جب حضرت عمر فاروقؓ کا اس چراگاہ سے گزر ہوا تو حیرت ہوئی اور رونے لگے پھر فرمایا: اللہ اکبر! ایک زمانہ وہ تھا کہ میں نمدے کا پہنے ہوئے لباس میں اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھوں میری پٹائی ہوتی۔آج یہ دن ہے کہ خدا کے علاوہ میرے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے۔ جوانی کا دور عرب کے معزز ترین مشغلوں مثلاً نسب دانی، سپہ گری اور پہلوانی میں گزارے۔ جب عمر ستائیس برس کی تھی کہ جزیرۃ العرب میں رسالت کا آفتاب اپنی پرکشش کرنوں کے ساتھ مکہ کی سرزمین پر طلوع ہوا۔اسی وقت جہالت ، بت پرستی، بیٹیوں کو دفن کرنا اور معمولی باتوں پر قبائل کے قتل وقتال کے سلسلے عروج پر تھے۔حضور ﷺ کی آمد اور حکمت عملی سے غیر مسلموں کو صراط مستقیم پر لانے کے لئے بڑھے احتیاط اور مخفی طریقوں سے دعوت جاری رہا۔

احوال قبل از قبول اسلام:

آہستہ آہستہ توحید ورسالت کی یہ صدا حضرت عمر فاروق کے گھرانے میں بھی گونجنے لگی اور آپ کے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ اور آپؓ کی بہن حضرت فاطمہ بھی ایمان لے آئی۔حضرت عمر فاروق اپنے خاندان کے جس فرد کے بارے میں اسلام لانے سے باخبر ہوجاتے اس کے دشمن بن جاتے ،ان کے خاندن میں لبینہ نام کی ایک کنیز نے بھی اسلام قبول کیا تھا تو اس پر بے حد غصہ ہوکر اتنا مارتے کہ تھک جاتے۔ پھر کہتے کہ ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا۔اس کے علاوہ بھی جس مسلمان پر بس چلتا اس کے ساتھ اتنی سختی سے پیش آتے تا کہ وہ اسلام سے منہ پھیر لے۔حالانکہ ان میں جو اسلام لاتا وہ حضور ﷺ کے روحانی اور نورانی توجہات کے طفیل اسلام چھوڑنے کا تصور بھی کرنے کا روادار نہ ہوتا۔

مشرکین کی اہم میٹنگ:

انہی حالت میں مکہ کے تمام بڑے بڑے مشرکین کے سرداروں میں اہم میٹنگ ہوئی جس میں مسلمان کے

روزافزوں بڑھتی ہوئی تعداد پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ان کے سد باب کے بارے میں غور وحوض جاری تھا جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اسلام کی اشاعت چونکہ حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کی وجہ سے ہے اگر شخص کو میدان سے ہٹا دیا جائے ،معاذ اللہ قتل کر دیا جائے تو یہ سالا معاملہ رک جائے گا۔لیکن یہ شنیع عمل کون کرے گا۔اس کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوسکا۔اس دوران اچانک حضرت عمرؓ اٹھے اور تلوار کھینچ کر کہا کہ یہ کام میں کروں گا۔ ابھی جا کر اس کا کام تمام کر کے اُن کا سر آپ کے پاس لاتا ہوں،

آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ:

ہاتھ میں تلوار لئے سیدھے سید الانبیاء ﷺ کی طرف رواں ہیں مگر ''آمد آں یارے کے ما میخواستیم'' انتہائی غضب اور غصے کی حالت میں جا رہے تھے کہ راستہ میں نعیم بن عبداللہ بن گئے۔پوچھا عمر! خیریت تو ہے بڑے غصہ کی حالت میں ہو تو عمر نے کہا کہ محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، سارے عرب اور مکہ میں پریشانی پیدا کی ہوئی ہے۔نئے دین کی بات کرتا ہے، ہمارے معبودین کو باطل کہتا ہے۔

بہن اور بہنوئی کا قبول اسلام:

نعیم بن عبداللہ نے فرمایا۔اچھا محمد الرسول اللہ ﷺ کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لو،تمہاری بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں یہ سن کر فوراً اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔گھر میں ان کی بہن فاطمہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی، آہٹ سن کر فوراً قرآن مجید کے اوراق کو چھپا دیا۔بہن سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھ رہی تھیں؟ فاطمہ نے کہا کچھ نہیں حضرت عمرؓ نے کہا مجھے معلوم ہو چکا ہے تم مرتد ہو چکی ہو یہ کہہ کر بہنوئی حضرت سعید بن زید سے دست و گریبان ہو گئے بہن بچانے کے لئے آگے آئے اس شدت سے اسے مارا کہ لہولہان کر دیا۔اسی حالت میں ان کی زبان سے یہ بات نکلی اے عمرؓ! جو کر سکتے ہو کر لو مگر اب آپ اسلام ہمارے دل سے نہیں نکال سکتے۔خواہ تم ہمیں شکنجے میں کس دو یا ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

بہن کے الفاظ سے دل کی دنیا بدل گئی:

محترم سامعین ! بہن کے یہ الفاظ حضرت عمر کی زندگی بدلنے کا سبب بنے۔بہن کی طرف شفقت کی نظر سے دیکھا جن کے بدن سے خون جاری تھا اور آنکھوں سے آنسو۔لیکن اس تکلیف کے باوجود اللہ تعالیٰ کا نام زبان پر جاری تھا، یہ حالات دیکھ کر حضرت عمر کی حالت بدل گئی اور بہن سے کہا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی لا کر دکھاؤ۔بہن نے کہا کہ تم بغیر غسل کے اُسے نہیں چھو سکتے۔غسل کیا، اور ان اجزائے قرآنی کو دیکھا جس میں یہ آیات تھیں سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [حدید :1]

جب ان آیات یعنی آمنوا باللہ ورسول کو سنا تو بے ساختہ زبان پر یہ کلمہ جاری ہوا اشهد ان لا اله الا الله

واشهد ان محمد رسول الله۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری:

اسی وقت رسول اللہ کی خدمت میں حاضری کی جبکہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے س اتھ دارارقم میں تھے، جب اندر داخل ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ کیوں عمرؓ؟ کس ارادے سے آئے ہو؟ تو حضرت عمرؓ نے سر جھکا کر بولے ایمان لانے کے لئے۔ یہ کہنا تھا کہ صحابہ کرامؓ نے فرط جوش ومحبت میں نعرہ تکبیر کی صدا بلند کی جس کی وجہ سے مکہ کی پہاڑیاں اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھیں۔

سید الکائنات ﷺ کی دعا:

جب مکہ میں مسلمانوں پر بے تحاشا ظلم وستم کئے گئے تو ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ٹوٹے ہوئے دل سے رب العالمین کی بارگاہ میں دعا فرمائی۔"اللهم اعز الاسلام لعمر بن خطاب اوبعمرو بن هشام "کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ھشام کے ذریعہ اسلام کو عزت وطاقت دے، بارگاہ الٰہی میں یہ دعا قبول ہوئی اور عمر بن الخطاب اسلام لائے، اسی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ کو"مراد رسول" ﷺ کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ تمام صحابہ کرام مرید تھے۔

معزز بھائیو! حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی طاقت اور ہمت حاصل ہوئی اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کی وجہ سے اعلانیہ طور پر مسجد الحرام میں عبادت ہونے لگی۔ اور مسلمانوں نے کچھ سکھ کا سانس لیا، جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو تمام مسلمان چھپ چھپ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے لیکن جب حضرت عمرفاروق نے ہجرت فرمائی توا علانیہ طور پر ہجرت فرمائی۔ حضرت عمرفاروق اسلام لانے کے بعد اسلام کے ایسے سپاہی بنے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ نبی کریم ﷺ ہر بات پر فرماتے"میں ابوبکر وعمر، میں ابوبکر وعمر" یہ تعلق بھی ایسا قائم ہوا کہ تا قیامت ایک دوسرے سے جدا نہ ہوسکے۔ دنیا میں بھی اکھٹے اور روضہ انور میں بھی یہ تینوں ساتھی ساتھ ساتھ آرام فرما ہیں۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں مقام ومرتبہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اس اونچے مقام وشان سے نوازا کہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

عن عقبة بن عامر قال قال النبی ﷺ لوكان بعدی نبی لكان عمر بن خطاب

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے"

ایک دوسرے جگہ رحمۃ للعالمین کا ارشاد ہے:

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لقد كان فيما قبلكم من الامم

محدثون فان یك احدفی امتی فانه عمر

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا تم میں سے پہلے لوگوں میں محدث ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہوا تو وہ عمر ہوں گے''

چونکہ امت محمدی ﷺ تمام امتوں سے افضل وارفع ہے تو اس امت میں جو محدث ہوں گے وہ بھی بڑے اعلیٰ وارفع ہوں گے۔طلباء کرام موجود ہیں یہاں محدث کا معنی وہ روشن ضمیر شخص جس کے دل میں غیب سے کوئی بات الہام کی جائے جو دوسروں کو معلوم نہ ہو پھر وہ شخص اس بات کو دوسروں تک پہونچا تا ہے اور یہ مرتبہ اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نوازے،حضرت عمر بھی اس امت کے محدث تھے۔

احکام الٰہیہ اور فاروق اعظمؓ کی آراء میں موافقت:

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جو مشورہ اور رائے پیش کی اور اس کے مطابق قرآن مجید کی آیاتیں نازل ہوئیں،حضرت ابن عمر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، تین باتوں میں میرے پروردگار کا حکم میری رائے کے مطابق نازل ہوا (۱) ایک تو مقام ابراہیم کو نماز ادا کرنے کی وجہ قرار دینے کے بارے میں (۲) آنحضرت ﷺ کی بیبیوں کے پردے کے بارے میں اور (۳) بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔

غیرت ایمانی کا حیرت انگیز واقعہ

معزز حاضرین! اللہ تعالیٰ نے آپؓ میں عدل وانصاف کی بھی صفت بدرجہ غایت ودیعت فرمائی تھی اور رب العالمین کی طرف سے فاروق کا لقب بھی حاصل کیا۔روایت ہے کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا اور تصفیہ کے لئے یہودی نے آپ ﷺ کو ثالث بنانے کی تجویز رکھی، منافق مشرکین قریش کے سردار کعب ابن اشرف کو ثالث بنانے پر مصر تھے۔کافی حیل وحجت کے بعد دونوں نے آپ ﷺ کو ثالث بنانا مان لیا، چنانچہ وہ دونوں اپنا قضیہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا، کیونکہ اس کا حق پر ہونا ثابت تھا۔لیکن منافق نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا کہنے لگا اب ہم عمرؓ کو ثالث بنائے گئے۔وہ جو فیصلہ دیں گے ہم دونوں پر واجب التسلیم ہوگا۔یہودی نے معاملہ کو نمٹانے کی خاطر منافق کی بات بھی مان لی اور اس کے ساتھ حضرت عمر کے پاس گیا یہودی نے حضرت عمر کو بتایا کہ ہم دونوں پہلے حضرت محمد ﷺ کو ثالث مان کر ان کے پاس گئے تھے اور انہوں نے میرے حق میں فیصلہ دیا تھا، یہ شخص (منافق) حضرت محمد ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہوا اور اب مجھے تمہارے پاس لے کر آیا ہے حضرت

عمرؓ نے منافق سے پوچھا اس یہودی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح ہے: منافق نے تصدیق کی کہ ہاں اس کا بیان بالکل درست ہے حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم دونوں یہیں ٹھہرو جب تک میں نہ آؤں واپس نہ جانا یہ کہہ کر گھر میں گئے اور تلوار لے کر باہر نکلے اور پھر اس تلوار سے منافق کی گردن اڑا دی اور کہا، جو شخص اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے اس کے حق میں میرا فیصلہ یہی ہوتا ہے، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا [النساء:60]

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی وہ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں (حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا کہ اس کو نہ مانیں) اور جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ عمر حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں اس دن سے عمر کا لقب فاروق مشہور ہو گیا۔

عدل وانصاف پر مبنی فلاحی ریاست:

محترم سامعین! حضرت عمر فاروقؓ ہر لحاظ سے ایک کامل ترین شخصیت کے حامل تھے عشق رسول ﷺ، خوف خدا، عاجزی و انکساری عدل وانصاف کا عظیم پیکر تھے، ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ ایک بہترین خلیفۃ المسلمین بھی تھے، ذاتی اوصاف و کمالات کے علاوہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے عمر بن خطاب نے جو عظیم خدمات انجام دیں ان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانی تاریخ کے بے نظیر خلیفہ اور حکمران تھے، انبیاء کے علاوہ کسی حکمران کو ان کے مقابلے میں نہیں رکھا جا سکتا ان کی خدمات ان کی اصلاحات ان کی فتوحات ان کا انداز حکمرانی ان کا عدل وانصاف اور ان کا نظام احتساب ہر چیز بے مثال ہے دنیا کے بڑے بڑے انقلابوں، فاتحوں، حکمرانوں، عادلوں اور صاحب کردار انسانوں کے سامنے لائیں اور انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیجئے اور دوسرے پلڑے میں اکیلے عمر فاروق کو رکھ دیجئے اور پھر ضمیر کو ہر قسم کے تعصّبات سے آزاد کر کے پوچھئے کس کا پلڑا بھاری ہے۔ تو سو فیصد یقین کے ساتھ کہنا ہوگا کہ آپ کا ضمیر عمرؓ عمرؓ پکار اٹھے گا، اور ہم اگر ان کی خدمات اور اصلاحات کو دیکھیں جن کا دائرہ مذہب سے سیاست تک معاشیات سے معاشرے تک ہر جگہ پھیلا ہوا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں جسے غیر ترقی یافتہ دور کہا جاتا ہے انہوں نے ہر شعبہ میں کیسی کیسی انقلابی اصلاحات تجویز کیں۔

نظام حکومت میں انقلابی اصلاحات:

محترم دوستو! سیاسی اور معاشرتی طور پر بھی حضرت عمر فاروقؓ نے وہ اصلاحات کیں جن کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، سب سے پہلے انہوں نے بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا ہے۔ سب سے پہلے عدالتیں اور قاضی انہوں نے مقرر کئے، تاریخ اور سنہ انہوں نے قائم کیا جو آج تک جاری ہے، مقبوضہ ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا اور کئی شہر یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط اور موصل انہوں نے آباد کرائے۔ امیر المومنین کا لقب سب سے پہلے انہوں نے اختیار کیا، فوجی و دفتر کے ملازمین کی تنخواہیں انہوں نے مقرر کیں، مردم شماری اور زمین کی پیائش انہوں نے کرائی، جیل خانہ، پولیس کا محکمہ اور فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ راستوں میں مسافر خانے اور شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائیں مدارس قائم کئے اور معلموں، اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ غریب عیسائیوں اور یہودیوں کے وظیفے مقرر کئے۔ حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام کے ساتھ اس کام کو پورا کیا، وقف کا طریقہ ایجاد کیا اور مساجد میں روشنی کا انتظام کیا، مساجد میں وعظ کا طریقہ رائج کیا اور یہ اسلام میں اس نوعیت کا پہلا وعظ تھا، راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش کے لئے وظیفے مقرر کئے ان کے علاوہ بھی حضرت عمر فاروقؓ کی بے بہا اصلاحات اور خدمات ہیں جو حضرت کی اولیات میں شمار ہوتی ہیں۔

رعایا کے ساتھ سلوک:

آج ہر طرف امن وامان کا فقدان، ظلم و جبر کا دور دورا ہے۔ قتل وغارت اور فساد سے ہر جگہ خون آلودہ ہے حالانکہ جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے، منصب حکمرانی پر بڑے منچلے حکمران براجمان ہیں، مگر وسائل کے باوجود مسائل کا حل معلوم نہیں ہو رہا اور دوسری طرف حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت پر نظر دوڑائیں تو صرف ۱۰ سال ۴ ماہ کے قلیل عرصے میں ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار مربع میل علاقے فتح کئے اور پھر ایسا نظام حکومت قائم کیا کہ تا قیامت اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ ساری رات اپنی رعایا کی خبر گیری کے لئے گشت کرتے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت عمر فاروقؓ اچانک میرے مکان پر تشریف لائے۔ میں نے کہا کہ آپؓ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھے ہی ملا لیا ہوتا، فرمایا ابھی مجھے معلوم ہوا کہ شہر کے باہر ایک قافلہ اترا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہوں گے آؤ مل کر ان کا پہرہ دیں۔ چنانچہ ہم دونوں ان قافلے والوں کے پاس گئے اور رات بھر ان کا پہرہ دیتے رہے۔ اسی طرح ان کے کارناموں اور خدمات پر کتابیں بھری پڑی ہیں۔

رب کائنات ہم سب کو صحابہ کرامؓ کے کردار واعمال کو اپنانے کی توفیق نصیب فرماویں۔ امین

جناب فصیح الدّین (پی ایس پی)

قبائل، امن اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلِہ وسلّم

اسلام سے قبل عرب قبائل کی اخلاقی و روحانی زندگی کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں البتہ ان کی سیاسی اور قومی زندگی کے بارے میں کم ہی محققین نے غور کیا ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ سیرت النبیؐ اور مذہب کے دیگر موضوعات مولوی طبقے سے متعلق سمجھے جاتے ہیں اس لیے اُن کی نظر زیادہ تر دورِ جاہلیت کی اخلاقی بُرائیوں اور کفر وشرک پر ہوتی ہے۔ البتہ ماضیٔ قریب اور حال ہی میں مستشرقین اور جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمان مفکرین نے سیرت نبویؐ کا ایک نئے انداز سے مطالعہ کیا ہے۔ علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ نے ''سیرت النّبی'' (جلد دوم) میں ''اسلام کی امن کی زندگی'' کے عنوان سے ایک الگ باب لکھا ہے۔ علاّمہ پہلے تو عرب قبائل میں جاری کشت وخون، خانہ جنگی اور غارت گری کا ذکر کرتے ہیں اور پھر آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ کی روشنی میں یہ بحث کرتے ہیں کہ یہ منتشر، ٹولیوں میں بٹے، خون ریزی کے شوقین اور کسی قومی وملّی یکجہتی کی سوچ سے یکسر نا آشنا قبائل کیسے آپس میں شیر وشکر ہو گئے؟ اس بدترین اور بدامنی کے دور میں جب آپؐ لوگوں کو مستقبل میں امن وامان کی بشارت دیتے تھے کہ ''ایک زمانہ آئے گا جب حیرہ سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی اور خُدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا'' تو لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ ایک شخص نے جب شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ''عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا''۔ علاّمہ لکھتے ہیں کہ بعد میں حضرت عدیؓ نے تصدیق کی کہ واقعی حیرہ سے تنہا خاتون نے سفر کیا تھا جسے انہوں نے دیکھا تھا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہمارے قبائل یعنی فاٹا میں آج جس قسم کی بدامنی ہے کیا اس کا حل بھی سیرت النبیؐ میں پوشیدہ ہے؟ یقیناً ایسا ہی ہے کیونکہ آپؐ کی ذات والا صفات تمام عالم اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ رحمتُ لّلعالمین کا لقب شانِ خُداوندی کا عطیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر زمانے اور مقام (Time and Space) کا اثر نہیں ہوتا۔

---

* معروف دانشور، ادیب، کالم نگار، مدیر ریسرچ لائبریری پشاور بلمقابل فاٹا سیکرٹریٹ

ہمارے قبائل کے بارے میں آج کل ملکی اور بین الاقوامی طور پر جو کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے سب سے پہلے اُس کا ایک غیر جانبدار تجزیہ ضروری ہے۔ تاہم جہاں تک قبائل کی شیرازہ بندی کا کام ہے، اس کے لیے سیرت نبویؐ کا عمیق اور خلوصِ دل سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور حکمت کے اُس موتی کی تلاش کرنی چاہیئے جس کے نُور سے قبائل کی تیرہ و تار زندگی روشن ہوئی۔ سیرت نبویؐ میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کو قبائل کی نفسیات، عادات، اخلاق، تاریخ، روایات، کمزوریوں، خوبیوں اور اندرونی قبائلی عوامل (Dynamics) کا بھرپور علم حاصل تھا۔ مثال کے طور پر جب ایک اعرابی نے سوال کیا کہ یا رسولُ اللہؐ! مجھے وہ بات بتایئے جس کے کرنے سے جنت مل جائے۔ آپؐ نے دیگر باتوں کے علاوہ فرمایا ''ظالم رشتہ دار پر اپنی عنایتوں کی بارش کرو''۔ کیا اس ارشاد نبویؐ کے اندر کی اخلاقی طاقت و توانائی کا اندازہ کوئی کر سکتا ہے؟ قبائل کے اسلام قبول کرنے کے واقعات کا ذکر سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے درج ہے۔ ہر ایک وفد کے ساتھ آپؐ کا معاملہ قبائلی نظامِ زندگی سے متعلق آپؐ کی حکمت و دانائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مثال کے طور پر جب قبیلۂ طے کے سردار اور مشہور حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ کی شانِ استغناء سے مرعوب ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیوں عدّی! تم اپنی قوم سے مُر باغ لیتے تھے لیکن یہ تو تمھارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے؟''۔ ایک قبائلی سردار کو یہ احساس دلانا کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ بے انصافی کر رہا ہے کس قدر نفسیاتی دباؤ اور اخلاقی شکست کی بات تھی۔ عدی قبائلی نظام میں مساوات، برابری، اخوت اور کرپشن سے بالاتر اخلاقی حیثیت کی اہمیت کو جانتا تھا۔ عدّی مسلمان ہوا اور مشہور صحابہ کرام میں جگہ پائی۔

قبائل کے بارے میں سورۂ حجرات کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی بعض نا قابلِ برداشت عادتوں اور نا مناسب رویّوں تک پر آپؐ صبر فرماتے تھے حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کو اس معاملے میں مداخلت کر کے اُن کو تنبیہ کرنا پڑی۔ سورۂ حجرات کا صاف سبق ہے کہ قبائل کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے کتنے صبر و برداشت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے اور اُن کے اندر فضائل اخلاق پیدا کرنے کے لیے کیسی تدبیر کرنی پڑتی ہے۔ قبائل کے ساتھ بات چیت (Communication) بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ وفودِ عرب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ ان پر اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ ان کے لیے تعزیراتی لگام میں نرمی فرمایا کرتے تھے، ان کی توبہ کو قبول فرماتے تھے، ان کے سرداروں اور بڑوں کو عزت و احترام سے

دیکھتے تھے، ان کی خواتین کی عزت فرماتے تھے جیسا کہ حضرت عدیؓ کی بہن جو ایک جنگ میں قیدی بن کر آئی تھی کو نہایت اکرام و احتشام اور عزت و حرمت سے رخصت فرمایا۔ قبائل کے درمیان صلح جوئی اور اخوت و مساوات کی جو بنیاد آپؐ نے ڈالی تھی، دراصل وہی ایک ایسا سیاسی رویّہ تھا جس سے ان کا قبائلی انتشار ایک قومی، مذہبی اور ملّی وحدت میں تبدیل ہو گیا۔ مغرب کے مصنّفین کو آپؐ کی اس حکمت و بصیرت پر شدید حیرانی ہے۔ اخلاقی تعلیم اور بُرائیوں سے روکنے کی تبلیغ تو ہر دور میں اخلاقی و مذہبی مبلّغین کرتے آئے ہیں لیکن ایک نہ ختم ہونے والے سلسلۂ جنگ میں مبتلا سینکڑوں قبائل کیسے ایک منظّم و متحد اور مضبوط و توانا سیاسی وحدت میں ڈھل گئے، یہ اُن کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ آج بھی مغرب بالخصوص امریکہ یمن، شام اور عراق سے افغانستان اور فاٹا تک قبائل سے برسرِ پیکار ہے مگر جب تک وہ سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ نہ کریں اور جب تک نورِ محمّدیؐ سے حکمت و دانش کی ضیاء نہ پائیں، میرا نہیں خیال کہ وہ قبائل کو شیر و شکر کر سکیں گے۔ اُن پر فتح پانا تو خیر دور کی بات ہے۔ یہ نسخہ میں نے کئی بار مغربی ماہرین کو بھی سمجھایا اور اپنے ملک کے بعض مقتدر حلقوں کے افسران کے سامنے بھی پیش کیا ہے کہ بلوچستان اور فاٹا کا مسئلہ اخلاقِ نبویؐ کے حامل افراد سے حل کرائیں۔ آپؐ کی کمیونیکشن مہارت و حکمت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ جب ایک قبیلے کے افراد نے آپؐ کے سامنے اپنی طلاقتِ لسانی اور زور بیانی کا ثبوت دیا تو آپؐ نے فرمایا، ان من البیان لسحرا یعنی بعض بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جب شاعرِ نبوّت حسان بن ثابتؓ نے ان کا جواب دیا تو وہ متأثر ہوئے اور نظم و نثر کی معرکہ آرائی کے بعد خود ہی اعتراف کیا کہ دربارِ رسالتؐ کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے والوں سے بڑھ کر تھے۔ اس کے بعد اس قبیلے نے ایمان کی روشنی پائی۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ آپؐ قبائل سے ڈائیلاگ کرنا جانتے تھے۔ بدقسمتی سے مغرب ہو کہ ہمارے اربابِ اقتدار، قبائل سے ان کی سطح پر کیمونیکیشن اور ڈائیلاگ کرنے کی اس حکمتِ نبویؐ سے محروم ہیں۔ آپؐ کے پاس جب عرب کا ایک ایسا بہادر قبیلہ آیا جو عرب میں اکثر فاتح ہوتا اور ہر لڑائی میں غالب آتا تھا تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ تمھارے غلبے کے کیا اسباب ہوتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا، ''ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے''۔ قبائل کی قوت کو معلوم کرنا ایک بہترین حکمت و دانش مندی ہے۔ اس حدیث کے اندر ہمارے لیے بہترین سبق ہے۔

قارئین کرام! آج ہمارے فاٹا کے قبائل کے بارے میں مغرب اور بالخصوص امریکہ کو سخت

تشویش لاحق ہے۔ درجنوں کتابیں اور رپورٹیں فاٹا کی بدنامی و رُسوائی کے لیے لکھی جارہی ہیں جس میں کئی ایک کا میں نے اپنے کالموں میں ذکر بھی کیا ہے۔ ناروے کی تھنک ٹینک ادارے سی سا (SISA) نے بھی اس ضمن میں درجنوں رپورٹیں شائع کی ہیں۔ 2014ء میں ان کی تازہ رپورٹ نمبر 26 ''فاٹا اور گلوبل جہاد'' کے عنوان پر ہے۔ یہ سراسر خرافات اور سُنی سنائی باتوں پر مبنی رپورٹیں ہوتی ہیں جن کا مقصد پختون قوم کی بدنامی اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا ہوتا ہے۔ امریکی دانشور بروس رائیڈیل نے امریکی صدر سے کہا تھا کہ امریکہ پر اگر کوئی دوسرا حملہ ہوا تو وہ فاٹا کے علاقے سے ہوگا۔ یہ بات ایک دوسرے امریکی دانشور ڈینئل مرکی نے بھی کی تھی اور اُن کی رپورٹ ''پاکستان کے قبائلی علاقوں کا استحکام'' (Securing Pakistan's Tribal Belt) تو کافی مشہور بھی رہی تھی۔ پاکستان میں کئی ایک این جی اوز اور نیم سرکاری اداروں نے بھی فاٹا میں ایک دن رات گزارے بغیر فاٹا میں امن واستحکام کے قیام کے موضوع پر اپنی رنگین رپورٹوں کی بھر مار کر دی ہے۔ افسوس کہ ان سب میں خلوصِ نیّت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ عملی طور پر بھی یہ تمام تجاویز اور رپورٹیں فاٹا ریفارمز کمیشن کی رپورٹوں کی طرح بے سُود رہی ہیں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ فاٹا سے متعلق پالیسی بنانے اور رپورٹیں لکھنے والے ان اخلاقِ کریمانہ اور سلوکِ مشفقانہ سے محروم ہیں جو آپؐ کی سیرت و کردار سے سیکھا جا سکتا ہے۔ قبائل کو باہم یکجا کرنا، اُن کے درمیان قومی وسیاسی وحدت کے رشتے پیدا کرنا اور اُن کو ایک بلند اخلاقی سطح پر لانے کے لیے عرب قبائل کی شیرازہ بندی کو بطور ایک مثال (رول ماڈل) کے سٹڈی کرنا چاہیئے۔ مارگولیوس ایک مشہور مستشرق عالم تھے جن کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، پھر بھی بقول علاّمہ ندویؒ وہ اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ ''محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپؐ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا''۔ (سیرت النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص۔15)

مشہور مستشرق عالم ڈبلیو ٹی آرنلڈ نے اپنی کتاب ''اشاعتِ اسلام'' (The Preaching of Islam) میں خصوصی طور پر عرب قبائل کو ایک وحدت دینے کی پیغمبرانہ شان کی اچھی خاصی تعریف بھی کی ہے اور اس پر تبصرہ کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے مستشرق وان (فان) کریمر کے حوالے سے لکھتا ہے: ''یہ محمدؐ

کی خواہش تھی کہ وہ ایک نئے مذہب کو لے آئے جس میں وہ کامیاب بھی رہے، مگراس دورن میں وہ ایک بالکل نئے اور مخصوص مذاق کے سیاسی نظام کی داغ بیل بھی ڈال گئے۔ ابتداء میں ان کی خواہش صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بُلانا تھا مگر ایسا کرتے کرتے انہوں نے اپنے شہر کے فرسودہ نظامِ حکومت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا اور قبائلی سرداری نظام کی جگہ جس کے اندر فیصلہ کن قوتیں صرف چند مخصوص حکمران خاندان ہی ہوتے تھے، ایک الہامی سیاسی حکومت قائم کی جس میں سب سے پہلے آپؐ خود خلیفۃ اللہ قرار پائے۔ ان کی وفات سے قبل ہی تمام عرب آپؐ کا مطیع ہو چکا تھا۔ عرب نے اس سے قبل کسی بھی بادشاہ کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا تھا مگر اب اچانک وہ ایک قومی وحدت میں جکڑ گئے اور انہوں نے ایک ہی حکمران کے سامنے بیعت کی۔ چھوٹے بڑے سینکڑوں قبائل جو ہر وقت آپس میں مشت و گریباں رہتے تھے، محمدؐ کا فرمان سننے کے بعد ایک قوم بن گئے۔ ایک مذہب کے خیال نے ان بکھرے قبائل کو ایک مشترکہ سیاسی جسم عطا کیا جو اپنی مخصوص خصوصیات کے ساتھ بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ ۔۔۔ قبائلی نظام (تاریخ میں) پہلی مرتبہ اگرچہ مکمل طور پر ختم نہ ہوسکا، تاہم ایک مذہبی وحدت کے جذبات کے سامنے مزید نہ ٹھہر سکا۔ محمدؐ کی وفات کے وقت عرب کے اکثر حصّے میں امن قائم ہو چکا تھا۔ اور عرب کے قبائل نے جو قتل و غارت گری و انتقام سے بھرپور تھے کبھی اس قسم کا امن نہیں دیکھا تھا۔ یہ صرف اسلام کا مذہب ہی تھا جس نے ان کے درمیان ایک انقلابِ اِصلاح برپا کیا تھا''۔ (ص۔32-33)

قارئین کرام! مستشرقین اور مغربی تعلیم یافتہ افراد نے اس عظیم انقلابِ نبویؐ کو سیرت میں بہت ٹٹولا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہی سب سے مشکل کام تھا جو آپؐ نے سرانجام دیا ہے۔ یہی وہ معجزہ ہے، جس کا جواب آج تک کسی دُنیاوی لیڈر سے نہ ہوسکا۔ چرچل اور روز ویلٹ سے لے کر کارٹر اور ٹونی بلیئر، ڈیوڈ کیمرون اور بُش اور گورڈن براؤن اور اوباما تک، آخر اِن کے پاس کیا کچھ نہیں ہے جو مصر، افغانستان، یمن، عراق اور شام جیسے پسماندہ علاقوں میں امن ماضی میں لا سکے نہ اب لا سکتے ہیں؟ ان کے پاس دُنیوی سازوسامان میں سب کچھ موجود ہے مگر ان کے دلوں کے اندر کی آنکھیں اندھی ہیں۔ (**ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور**)۔ دراصل ان کے پاس سیرتِ نبویؐ کی روشنی نہیں ہے۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اگر یہ لوگ تعصب سے بالاتر ہو کر سیرت محمدیؐ کا مطالعہ کریں تو شاید ان کو قبائلی دُنیا میں امن قائم کرنے کا فن آجائے۔ دیدۂ بینا کے لیے اس میں عبرت ہے۔ رہے نام اللہ کا۔

مولانا محمد فضل اللہ

سانحہ پشاور اور ہمارے صحافتی رویے، چند گزارشات!

سانحہ پشاور ملکی تاریخ کا بدترین سانحہ ہے، بلکہ مجموعی اسلامی تاریخ کا المناک اور پھول جیسے معصوم بچوں کے خون ناحق سے رنگین ہے۔اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ظاہر ہے ہم آج کچھ بھی کریں اس سے ان غمزدہ لوگوں کی خوشیاں نہیں لوٹائی جاسکتیں۔اس پر بہت لکھا جاچکا، ٹاک شوز میں کافی کچھ کہا گیا، ہر طرف سے اس کی مذمت ہوئی۔ہم بھی کھل کر اس کی مذمت کرتے ہیں اور بانگ دہل معصوم بچوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے والوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

ہماری صفوں سے تو بہت پہلے پاکستان میں ہر قسم کی مسلح جدوجہد کو ملک وملت کے لئے خطرناک قرار دیا گیا، اسلحہ اٹھانا سب کے لئے نامناسب قرار دیا گیا، چاہے ریاستی ادارے ہوں یا غیر ریاستی مسلح قوتیں ہوں، پشاور اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے اجتماعات اور ان میں علمائے کرام کی بھرپور شرکت اور بیک آواز تشدد کی مخالفت اس کے واضح ثبوت ہیں، لیکن اس وقت کسی نے (بشمول حکومت ، ریاستی اداروں اور میڈیا) بھی اس کو سنجیدہ نہیں لیا؛ تا آنکہ پشاور کا المناک ترین سانحہ ہوا۔

اب ہمارے ملک کے دانشور، تجزیہ نگار، صحافی اور کالم نگار اس پر لکھ رہے ہیں، تجاویز دے رہے ہیں، ہم بھی اس کو پڑھ رہے ہیں، برت رہے ہیں۔ میں ملک کے موقر روزنامہ جنگ کا تقریباً مستقل قاری ہوں۔ یہ ایک اچھا سلسلہ ہے کسی بھی زندہ قوم میں ایسے افراد کا وجود از حد ضروری ہے جو وقوع پذیر ہونے والے حالات وواقعات کا تجزیہ کریں، ان کے اسباب وعوامل تلاش کریں، ملک وقوم کو درپیش مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔

سانحہ پشاور کے حوالے سے ہونے والے تبصرے، تجزیے ہماری قومی زندگی کا فطری تقاضا اور زندہ قوم ہونے کا ثبوت ہیں۔ تاہم ایک تجزیہ نگار وصحافی کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ غیر جانبدار ہو، نہ تو وہ خود اشتعال میں آئے اور نہ ہی اس کی تحریر، تجزیہ دوسروں کے لئے اشتعال انگیز ہو، اس کا اولین مقصد قوم ،حکومت اور ریاستی اداروں کی رہنمائی ہونی چاہئے۔ایک صحافی کے شایان شان

نہیں کہ وہ جذبات سے مغلوب ہوکر لکھے یا کسی واقعہ کی آڑ میں کسی شخصیت، معاشرہ کے کسی طبقہ، کسی قومی اکائی جو ذاتی طور پر اسے پسند نہ ہو، پر اپنے دل کی بھڑاس نکال دے۔اس سے مزید پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔معاملات سلجھنے کے بجائے مزید الجھیں گے۔پھر کتاب وسنت کی تعبیر وتشریح اور اسلامی شعائر کا معاملہ تو باریک تر ہے۔ اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے احتیاط لازم ہے ۔خواہ مخواہ اپنی عاقبت خراب کرنے سے گریز کرنا چاہئے ۔بدقسمتی سے سانحہ پشاور کے بعد ہمارے بعض انتہائی محترم اہل قلم لٹ لے کر علماء، مدارس دینیہ، طلبہء مدارس دینیہ کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا ایک دو سینئر اہل قلم کا حوالہ دے کر اپنی بات پوری کرتا ہوں ۔

محترم عطاء الحق قاسمی صاحب ہمارے عہد کے بہت بڑے ادیب، دانشور اور کالم نگار ہیں۔ میں پابندی سے ان کا کالم پڑھتا ہوں اوران کی ظرافت اور بذلہ سنجی کا لطف اٹھاتا ہوں۔ جمعہ ۱۹ دسمبر کے روزنامہ جنگ میں ''مذہبی شدت پسندی'' کے عنوان سے ان کا کالم شائع ہوا ہے۔ ایک ذیلی عنوان ''مذہبی جماعتوں کے تبلیغی اجتماع'' کے تحت لکھتے ہیں:

> ''یہاں رقت آمیز لہجے میں اللہ تعالی سے گڑگڑا کر اور زاروقطار روتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے، لیکن کیا یہ معافی ان گناہوں کے حوالے سے مانگی جاتی ہے جن کا تعلق صرف ان کی ذات سے ہوتا ہے؟ یا اس معافی میں وہ گناہ بھی شامل ہوتے ہیں جو معاشرتی گناہ ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارا معاشرہ مکروہ ترین معاشرہ بنتا چلا جا رہا ہے؟ کیا اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے گذشتہ گناہ معاف ہوگئے ہیں؛ لہٰذا اب آئندہ دنوں کے لئے گناہوں کا نیا اکاؤنٹ کھول لیا جائے؟''

جناب قاسمی صاحب اوران کے قارئین کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

گناہ اور توبہ کے حوالے سے قرآن وسنت کے حوالے سے جو میں سمجھا ہوں، اپنے اساتذہ اور علمائے اسلام کی کتب سے جو استفادہ کیا ہے، ذیل کے چند پوائنٹس میں اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے :

☆ گناہ ومعصیت کا تصور اسلام میں خالق ومالک اور سب سے بڑے محسن کی ناشکری اور احسان فراموشی کا ہے، معاصی کے اپنے آثار وعواقب اور نحوستیں ہیں ۔

☆ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنے احسان فراموشی کا احساس ہوجائے اور اپنے کئے پر نادم

ہوجائے ۔علمائے اسلام نے قبول توبہ کے لئے یہ شرطیں بیان کی ہیں (۱) فی الفور گناہ ترک کردے (۲)اپنے کئے پر ندامت ہو(۳) آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہو،مزید برآں اگر وہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوتو اس حق کی ادائیگی کرے یا معاف کروائے۔ادائے حقوق کے بغیر محض توبہ سے بندوں کے حقوق سے متعلقہ گناہوں کی معافی کا تصور اسلام میں نہیں، یعنی ضابطہ یہی ہے ۔گناہ صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ بعض نیک کاموں سے بھی معاف ہوجاتے ہیں؛ بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے اجتناب ہو اور گناہ کبیرہ کی معافی کے لئے معافی مانگنا ضروری ہے ۔قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ مذکورہ بالا مضمون پر دلالت کرتی ہیں ۔

اگلے عنوان ہے''حوروں کا تذکرہ'' اس کے تحت قاسمی صاحب لکھتے ہیں:'' فسادی علماء اور واعظ خطبہ ہائے جمعہ میں دل میں حسرتِ گناہ لئے چسکے لے لے کر حوروں کا لذت آمیز بیان طویل سے طویل تر کرتے چلے جاتے ہیں'' ۔آگے چل کر لکھتے ہیں:''صرف یہی نہیں اردو بازار کی دکانیں ان لغویات سے بھری پڑی ہیں جنہیں اسلام کے غلاف پوش میں پیش کیا گیا ہے ۔یہ کتابیں پڑھ کر ایک صحیح الفکر مسلمان کے دل میں کراہت پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف یہ کتابیں دہشت گرد تیار کرنے والوں کے بہت کام آتی ہیں،افسوس! میں وہ تفصیل بیان نہیں کرسکتا جو ان کتابوں میں حوروں اور جنتیوں کی مردانگی کے حوالے سے دی گئی ہوتی ہے ۔ یہ تفصیل پڑھ کر صرف توبہ توبہ کا ورد ہی کیا جاسکتا ہے ۔یہ سب کمزور اور وضعی حدیثوں سے اخذ ہیں ۔ان کے مطابق بڑے سے بڑا گناہ بھی فلاں عبادت سے معاف کیا جاسکتا ہے ۔چنانچہ ہم قتل کرتے جاتے ہیں ، ملاوٹ کرتے جاتے ہیں، قبضے کرتے چلے جاتے ہیں اور عبادت کرتے چلے جاتے ہیں ۔''

محترم قاسمی کی خدمت میں دردمندانہ گذارش ہے کہ جناب! ایک تو حدیث شریف بلکہ پورے ایک سلسلے اور ایک مضمون سے متعلقہ احادیث پر ضعف ،کمزوری بلکہ وضع کا حکم لگانا ہماشا کا کام نہیں اور نہ ہی کوئی فکاہی کالم اس کے لیے درکار سنجیدگی کا متحمل ہے ۔اس انتہائی نازک کام کے لئے ٹھوس علمی استعداد ،محدثین کے بیان کردہ تمام علوم ضروریہ سے واقفیت اور ان پر دسترس ، تمام ذخیرۂ احادیث پر بصیرت افروز نظر ،خداوند کریم کی طرف سے عطا کردہ سمجھ بوجھ ،علمی ملکہ اور وہبی علم وتوفیق ضروری ہے ۔جن لوگوں میں یہ شرطیں موجود ہوں اور اس فن کے اہل اختصاص ہوں ، انہیں تجربہ ومہارت حاصل ہو، وہی اس سلسلے میں اتھارٹی ہیں ۔آپ سے گزارش ہے کہ اپنے حدود میں کام کریں ،اپنے آپ کو متنازع نہ

بنائیں، قوم کے لئے مزید الجھن اور پیچیدگیاں پیدا نہ کریں۔مزید برآں مذکورہ بالا دونوں مضامین قرآن کریم کے آیات مبارکہ سے قطعی طور پر ثابت ہیں، اور ان کا معنی بھی یقینی طور پر صاف اور واضح ہے۔ نیز صحیح احادیث کی ایک معقول تعداد میں ان کا صاف اور بے غبار ذکر ہے۔ایسی صورت حال میں آنجناب کیا فرماتے ہیں؟!!

دوسرے اہل قلم بھی روزنامہ جنگ میں لکھنے والے جناب یاسر پیرزادہ صاحب ہیں، میں انہیں بھی تقریباً مستقل پڑھتا ہوں، تقریباًاس لئے کہا کہ کبھی جنگ اخبار ہی ہم تک نہ پہنچ پائے تو الگ بات ہے۔اتوار ۲۱ دسمبر کے شمارے میں انکے کالم کا عنوان ہے: if you not against then you are with them (اگر آپ ان کے خلاف نہیں تو پھر آپ ان کے ساتھ ہیں)۔ وہ لکھتے ہیں: ایسا سوگ اس قوم نے پہلے نہیں منایا اور ایسے غصے کا اظہار بھی ہم نے ۱۹۷۱ کے بعد کبھی نہیں کیا۔اس وقت ہمارے لیڈران وہ تمام فیصلے کر سکتے ہیں جو عام حالات میں ممکن نہ ہوتے۔میڈیا پر دہشت گردوں کے حمایتیوں پر پابندی سے لے کر مدرسوں کو حکومتی تحویل میں لینے تک۔۔۔۔۔۔

یاسر پیرزادہ صاحب! حکومت سے اپنے سکولز، کالجز نہیں سنبھالے جارہے، ملکی یونیورسٹیوں، ہائرایجوکیشن کمیشن کی حالت آپ سے بہتر کون جانے؟ کہ آپ مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کی بات کرنے لگے ہیں۔گذشتہ دنوں سید عدنان کاکا خیل صاحب نے ڈاکٹر عامر لیاقت سے ان کے ایک پروگرام میں سوال کیا تھا کہ مدارس کا موجودہ مخصوص نصاب ونظام تعلیم برصغیر پاک وہند میں کم ازکم سو ڈیڑھ سو سال سے رائج ہے اور دہشت گردی، انتہاپسندی وغیرہ الفاظ زیادہ سے زیادہ ایک دہائی سے ہمارے ہاں رائج ہوئے ہیں۔ اگر مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں اور شدت واشتعال پھیلا رہے ہیں، تو دس بارہ سال پہلے ایسا کیوں نہیں ہوا؟ پھر انتہاپسند کیا صرف مدارس میں ہیں؟ عصری تعلیمی اداروں سکولز وکالجز میں نہیں!!!

یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ علماء، طلبہ، مدارس دینیہ سے وابستہ حضرات اور مذہبی لوگ اسی طرح ایک قومی اکائی ہے، جس طرح کہ سیکولر اداروں سے وابستہ مذہب بیزار لوگ۔ ملک وقوم کے لئے مذہب پر عمل پیرا لوگوں کی قربانیاں کسی دوسرے طبقے سے کم نہیں۔مذہبی لوگ بھی اتنے ہی محبّ وطن ہیں جتنے دوسرے ہیں، بلکہ ان سے زیادہ۔جناب والا! ہم بھی آخر اس ملک کے شہری ہیں، مغرب کے رنگ میں رنگے ہوئے نہ سہی، لیکن محبّ وطن اور اس ملک وقوم کے خیر خواہ تو ہیں۔اسلامی، مشرقی تہذیب

وتمدن اور طرز زندگی ہمارا سرمایۂ حیات ہے اور مقدور بھراس کے تحفظ کے لئے ہم یکسو ہیں۔قوت دلیل ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ مکالمہ، مذاکرات ،سنجیدہ گفتگو پر یقین رکھتے ہیں۔ کیااس حالت میں بھی آپ ہمیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں؟

سانحہ پشاور کے حوالے سے نہایت درست تجزیہ معروف تجزیہ کار جناب سلیم صافی صاحب کا ہے۔ روزنامہ جنگ ۲۰ دسمبر کے شمارے میں ''پس چہ باید کرد'' کے عنوان سے ان کا کالم شائع ہوا ہے۔ حکومت اور عسکری ادارے اگر واقعی حالات سدھارنے میں مخلص ہیں تو انہیں یہی بنیادی اقدامات کرنے ہوں گے، جو صافی صاحب نے ذکر کئے ہیں۔

محترم ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب نے بھی اچھا تجزیہ کیا ہے کہتے ہیں کہ عرصہ بیس پچیس سال میں جب ہمیں جہاد اور مجاہدین کی ضرورت تھی، ایک فضاء بنی۔ پھر جنرل مشرف نے یوٹرن لیا۔ اب فوج تو ایک منظّم ادارہ ہے وہاں تو یوٹرن لیا گیا، اگرچہ وہاں بھی بعض اوقات مسائل پیدا ہوئے ،لیکن قومی سطح پر کوئی ایسا منظّم ادارہ نہیں تھا کہ وہاں بھی یوٹرن لیا جاسکے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب جن شدید الفاظ میں اس واقعہ کی مذمت کی جسے القرآن ڈاٹ کام پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ،اسی طرح مولانا سمیع الحق صاحب ،مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور دیگر مقتدر علماء کرام نے بھی نہ صرف شدید الفاظ میں مذمت کی بلکہ متاثرہ سکول کا دورہ کرکے متاثرہ خاندانوں کے ساتھ تعزیت کی ،اس کے ساتھ بہت سے بچے اس سانحہ میں کسی نہ کسی مذہبی شخصیت یا اس کے رشتہ داروں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود مدارس کے پیچھے ہی لگے رہنا صریح ناانصافی ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان صاحب نے میرے خیال میں سیاسی بالغ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بروقت ایک مثبت بیان دیا ہے کہ مدارس کو بے جا ہدف تنقید نہ بنائیں۔

آخر میں یاسر پیرزادہ صاحب کی تسلی کے لئے عرض ہے، we are against them
ٹھیک ہے نا؟!

زیر تعمیر جامع مسجد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا فیس بک اکاؤنٹ

https://www.facebook.com/jamiamasjidmolanaabdulhaq

ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی*

عصر حاضر میں اسلامی قوانین جنگ کی معنویت

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس کرۂ ارضی پر لڑی جانے والی اکثر وبیشتر جنگوں میں نہ کسی ضابطے کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ ہی کسی قوانین واصول کی پاسداری کا خیال ذہن انسانی میں آتا ہے۔ بلکہ ان جنگوں کے ذریعہ کائنات انسانی کو فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنادیا جاتا ہے اور انسانوں کو بے دریغ تہہ تیغ کردیا جاتا ہے اور جب میدان کارزار گرم ہوتو بلا فرق وامتیاز سب لوگوں کیساتھ ایک سلوک وبرتاؤ کیا جاتا ہے۔

انسان کا بنایا ہوا ضابطہ اور وضع کیا ہوا قانون حالات کے نشیب وفراز اور مستقبل میں پیش آمدہ احوال وکوائف سے ناواقفیت پر مبنی ہوتا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون میں مخصوص رنگ ونسل اور جنس وعلاقہ کے رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے، اس لیے ایسے قانون کو ہمہ گیریت اور جامعیت کا مقام نہیں ملتا۔ ان کے یہاں جنگ کے اغراض ومقاصد کا وجہ جواز کیا ہے، اس کا مقصد کیا ہے۔ کن حالات میں جنگ کی اجازت دی جاسکتی ہے اور کن مواقع میں جنگ کی اجازت نہیں ہے؟ کیا کمزور انسانوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے جنگ کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ کیا یہ قرین قیاس اور مناسب ہے کہ جب جی چاہا اپنے جابرانہ نظام کے تسلط کو قائم کرنے کیلئے کسی بھی ملک کی سرحد میں جنگی جہاز اتار دیا؟ ان تمام سوالوں کا تشفی بخش جواب انسانی قوانین جنگ میں نہیں مل سکتا اسلئے انسانوں کا خودساختہ قانون امن وآشتی کا ضامن نہیں بن سکتا۔

اس کے بالمقابل دین اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ اسلام نے میدان جنگ کے لئے اصول وضابطے مقرر کئے ہیں۔ ان کا پاس ولحاظ رکھنا ہر اہل ایمان پر فرض ہے۔ اس کے اصول وقواعد سے کسی کو مفر نہیں ہے، کیونکہ اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کیلئے جب جنگ ناگزیر ضرورت بن جائے تو تلوار اٹھانے والوں کو کھلی چھوٹ نہیں ملتی ہے، بلکہ حدود وقیود میں رہ کر فتنہ وفساد، سفاکیت ودرندگی اور ظلم وجور کے سد باب کے لئے اپنی طاقت وقوت کا استعمال بجا قرار دیا جاتا ہے۔

---

* شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (انڈیا)

یہ اعزاز تو صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے جنگ و جہاد کے واضح مقاصد متعین کئے اور اس کے آداب واصول مرتب کئے اور بلا جواز قتل وخون ریزی کو سنگین جرم قرار دیا۔ کسی مسلمان فرد کو یا اسلامی حکومت کو ان بنیادی اصول وضوابط میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسلامی قوانین ہم گیر اور دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ نامور مصری عالم رقم طراز ہیں:

''اسلام کی یہ جنگیں کسی فوجی قائد کی خودغرضی اور ہوس ملک گیری کی پیداوار نہیں تھیں نہ ان کے پیچھے دوسروں کو غلام بنانے کا جذبہ کارفرما تھا، بلکہ یہ جنگیں محض خدا کے لئے لڑی گئیں اور ان کا اصل مقصد رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ تھا، مگر بات صرف جذبہ پر ہی ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ اس نے ان جنگوں کے لئے باقاعدہ اصول وقوانین بھی مقرر کئے''۔ (۱)

اسلامی قوانین جنگ کے تعلق سے ذیل میں وہی امور بیان کیے جارہے ہیں جن پر قوانین جنگ کی بنیاد قائم ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ ان امور کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

اطاعت امیر:

اسلامی قانون میں جنگ کے تمام اعمال کی ذمہ داری اور امرونہی کے تمام اختیارات کا حامل امیر کو بنایا گیا ہے۔ کوئی بھی معمولی جنگ کی کاروائی امیر کی اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے اطاعت امیر کو خود خدا اور رسول کی اطاعت کے برابر قرار دیا ہے اور اس کی نافرمانی کو وہی درجہ دیا جو رسول خدا کی نافرمانی کا ہے۔ اطاعت امیر کو خیر وفلاح کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً (۲)

''اے ایمان لانے والو! تم اللہ اور رسول کا کہنا مانوں اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کردیا کرو اگر تم اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام بہتر ہے۔''

نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے:

الغزو غزوان، فأما من ابتغى وجه الله واطاع الامام وانفق الكريمة وياسر الشريك

واجتنب الفساد فان نومه ونبهه أجر كله وامامن غزافخراوریاء وسمعه عصی الامام وافسد فی الارض فانه لم یرجع بالکفاف ۔ (۳)

”لڑائی دو قسم کی ہیں، جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا ذریعہ ہے اور جس نے دنیا کو دکھاوے اور شہرت وناموری کے لئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی چھوٹے گا۔یعنی الٹا عذاب میں مبتلا ہوگا۔“

ایک دوسرے مقام پر حدیث پاک میں آتا ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع الامام فقد اطاعنی ومن عصی الامام فقد عصانی (۴)

”جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی اطاعت پر اس قدر زور دیا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک حبشی غلام جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں، حاکم بنادیا جائے تو اس کی اطاعت بھی واجب ہے۔ارشاد سنیئے:

ان امرعلیکم عبدحبشی مجدع فاسمعوا لہٗ واطیعوا ماقادکم بکتاب اللہ (۵)

”اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں، حاکم بنادیا جائے اس کی بھی اطاعت کرو، بشرطیکہ وہ کتاب اللہ پر تمہیں عمل کرواتا ہو۔“

دوران جنگ اگر اطاعت امیر کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو اس سے شکست وہزیمت کے ساتھ ساتھ جانی ومالی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔جیسا کہ غزوۂ احد میں فرمان نبوی سے حکم عدولی اور امیر کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے بڑا جانی ومانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔پس یہ قرآن وسنت کی درخشاں تعلیمات کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اطاعت امیر ایک اہم حکم ہے جس کی اطاعت ہر فرد مجاہد پر لازم ہے، ورنہ اس کے دور رس منفی اثرات ونتائج مترتب ہوں گے۔

ایفائے عہد:

ایفائے عہد کے تعلق سے کتاب اللہ میں متعدد فرامین وہدایا موجود ہیں حضورﷺ نے بھی اس کی سخت تاکید کی ہے،ایک جگہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُون (۶)

''اورتم اللہ کا عہد پورا کردیا کرو جب تم عہد کرواور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد انہیں مت توڑا کرو، حالانکہ تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

وفاشعاری اور تقویٰ کی سند وہ حضرات حاصل کرتے ہیں جولوگوں سے کئے ہوئے عہد و پیان کو نہیں توڑتے، بلکہ پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں، اللہ رب العزت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے ایفائے عہد کرتے ہیں اور جس قول وقرار کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے،خشیت الٰہی کے ساتھ اس کی پاسداری ولحاظ بھی کرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللّهِ وَلاَ ينقُضُونَ الْمِيْثَاقَ وَالَّذِيْنَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الحِسَاب (۷)

''اور جولوگ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا،اس کو پورا کرتے ہیں اور وہ اس عہد کو توڑتے نہیں۔اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن علاقوں کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے،ان کو قائم رکھتے ہیں اوراپنے رب سے ڈرتے ہیں اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔''

عہدو پیان اگر کرلیا ہے تو اس کو نبھانا ضروری ہے ورنہ نقض عہد کی وجہ سے اس سے مواخذہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً (۸)

''اور وعدہ پورا کیا کرو یقیناً وعدہ کے لئے ضرور باز پرس ہوگی۔''

مشرکین مکہ نے ابورافع کو اپنا قاصد بنا کر بارگاہ رسالتؐ میں بھیجا۔ بارگاہ نبویؐ کا اثر ابورافع کی ذات پر اتنا ہوا کہ مشرف بہ اسلام ہوگئے اور حضورؐ سے عرض کیا کہ میں کافروں کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔آپؐ نے فرمایا تم قاصد ہواور قاصد کو روک لینا عہد و پیان کی خلاف ورزی ہے۔تم ابھی جاؤ، پھر

واپس آجانا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

ان ابا رافع اخبرہٗ قال بعثنی قریش الی رسول لله فلمارایت رسول الله ﷺ القی فی قلبی الاسلام فقلت یارسول الله ﷺ انی والله لاارجع الیهم ابدا فقال رسول اللهؐ انی لااخیس بالعهد ولااحبس البرد ولکن ارجع فان کان فی نفسك الذی فی نفسك الان فارجع۔ (۹)

''ابورافع نے فرمایا کہ قریش نے مجھے نمائندہ بنا کر نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب میں نے نبی کریمؐ کو دیکھا تو اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ خدا کی قسم میں اب کبھی ان کی طرف لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں عہد نہیں توڑتا اور نہ قاصد کو قید کرتا۔ تم اس وقت واپس جاؤ اور جو چیز اس وقت تمہارے دل میں ہے اگر وہ برقرار رہے تو واپس چلے آنا۔''

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندل پاؤں میں زنجیریں پہنے ہوئے آئے اور زخموں سے چور بدن کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ مشرکین مکہ مجھ پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن مشرکین مکہ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان اگر مکے سے بھاگ کر آئے گا تو ہم اس کو قریش کے پاس بھیج دیں گے۔ صحابہ کرام کی جماعت حضور ﷺ سے سفارش کر رہی تھی کہ ان کو واپس نہ بھیجا جائے تا کہ ابو جندلؓ مزید جور وستم کا نشانہ نہ بنیں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ معاہدہ لکھا جا چکا ہے۔ اس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ لہٰذا ابو جندلؓ کو آپؐ نے پناہ دینے سے انکار کر دیا اور حسب معاہدہ وہ قریش مکہ کے حوالے کر دیئے گئے۔

ان تمام آیات، احادیث مبارکہ اور واقعات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آپؐ نے جو معاہدہ کیا ان کو ہر حال میں پورا کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو یہ خوب معلوم تھا کہ مکہ کے مسلمان ناگفتہ بہ مصائب ومشکلات سے دوچار ہیں لیکن آپؐ نے تاحین حیات ایفائے عہد کا عظیم الشان نمونہ پیش کیا، بلکہ آپؐ نے تو یہاں تک فرمایا کہ کسی معاہد سے عہد و پیمان توڑنے والا جنت کی خوشبو سے محروم ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

قال رسول الله ﷺ من قتل معاهداً فی غیر کنهه حرم الله علیه الجنة (۱۰)

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی معاہد کو بغیر کسی وجہ سے قتل کر دے تو اللہ اس پر جنت حرام

کر دیتا ہے۔''

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

من کا بینه وبین قوم عهد فلایشد عقدة ولا یحلها حتی ینقضیٰ امدها اوینبذالیهم علی سواء(۱۱)

''جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس گرہ کو مضبوط کرے اور وہ نہ کھولے یہاں تک کہ جب مدت گذر جائے تو وہ برابری پر عہد کو توڑے۔''

اسیران جنگ کے قتل کی ممانعت:

اہل عرب اسیران جنگ سے نہایت برا سلوک و برتاؤ کیا کرتے تھے جیسا کہ موجود دور میں امریکہ گوانتاموبے جیل میں قیدیوں کے ساتھ کیا جانے والے والا برتاؤ دنیا کے سامنے موجود ہے۔لیکن اس کے بالمقابل اسلام نے جنگی قیدیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کی تاکید فرمائی اور یہ قانون وضع کر دیا کہ نہ ہی ان کو ایذا پہنچایا جائے گا اور نہ ہی ان کو قتل کیا جائے گا۔آپؐ کا پاک ارشاد ہے:

لاتجهزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولایقتلن اسیر ومن اغلق بابه فهوامن۔(۱۲)

''زخمی پر حملہ نہ کرو بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو قیدیوں کو قتل نہ کرو اور جو اپنا دروازہ بند کرے اس کو امان دیدو۔''

اسیران جنگ سے متعلق اسلام کا قانون یہ ہے کہ جنگ جب اپنے اختتام کو پہنچ جائے تو انہیں بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا جائے یا تو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔اگر انہیں قیدی بنا کر رکھا جائے تو ان کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کیا جائے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے:

فَإِذا لَقِيتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنّاً بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاء (۱۳)

''پس (اے ایمان والو) جب تمہارا معاملہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو ان کو رسی سے باندھ لو۔اس کے بعد (تم کو اختیار ہے کہ یا تو احسان رکھ کر (رہا کر دو) یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو۔'' (جاری ہے)

مولانا شمس تبریز قاسمی*

ملالہ کے ساتھ یورپ کی مسلسل مہربانی

بالآخر دختر پاکستان ملالہ یوسف زئی اپنی کامیابی کی آخری منزل تک پہنچ چکی ہے، اپنی عمر سے زیادہ انٹرنیشنل انعام یافتہ ملالہ نے نوبل انعام کا خواب بھی بہت جلد پورا کرلیا،نوبل انعام کے آغاز سے لے کر اب تک کے 113/سال کے دوران ملالہ دنیا کی پہلی کم عمر ترین ہے جسے یہ اعزاز ملا ہے، سترہ سالہ ملالہ کو یہ ایوارڈ ہندوستان کے ساٹھ سالہ کیلاش ستیارتھی کے ساتھ مشترکہ طور پر دیا گیا ہے، ملالہ اور کیلاش کو یہ ایوارڈ بچوں اور نوجوانوں کے استحصال کے خلاف جد وجہد اور بچوں کی تعلیم کے لیے کی جانے والی کوششوں پر دیا گیا ہے،نوبل کی انعامی رقم تقریباً 12لاکھ ڈالر ہے، یہ رقم دونوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کی جائے گی، سال رواں نوبل امن ایوارڈ کیلئے 278/امیدوار نامزد ہوئے تھے، نوبل ایوارڈ 10/دسمبر کو ناروے کے دارالحکومت ''اوسلو'' میں دیا جائے گا۔

ملالہ کو اپنی اس کم عمری میں اقوام متحدہ میں خطاب اور امریکی صدر اوبامہ سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہے، ملالہ کو جن ملکی اور عالمی اعزازات سے نوازا گیا ہے، ان میں نیشنل یوتھ پیس پرائز، ستارہ شجاعت، مدر ٹیریسا میموریل ایوارڈ، روم پرائز فار پیس، سیموں دابوار پرائز، ضمیر کی سفیر ایوارڈ، ایمنسٹی انٹرنیشنل، کلنٹن گلوبل سٹیزن ایوارڈ، سخاروف پرائز برائے آزادی، وومن آف دا ائیر، گلیمر میگزین، اعزازی ڈاکٹر آف سول لاء، کینیڈا، سکول گلوبل ٹریڈر ایوارڈ شامل ہیں۔

نوبل انعام سال 2014ء کے لئے ملالہ یوسف زئی کے انتخاب کے بعد پاکستان میڈیا میں تہلکہ مچا ہوا ہے، دانشوران، مفکرین سیاست داں اور صحافی سبھی اسے پاکستان کی بہت بڑی کامیابی قرار دے رہیں، پاکستان کے ایک اخبار ''نوائے وقت'' نے اداریہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ دختر پاکستان کو نوبل انعام ملنے کے بعد پاکستان اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگیا ہے جس کی خاطر وہ ہندوستان سے الگ ہوا تھا اور جس پاکستان کا قائداعظم نے خواب دیکھا تھا۔

---

* ایڈیٹر بصیرت، دیوبند ہندوستان

''پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، قائد اعظمؒ بھی اسی حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہی تعلیمی نظام کے حق میں تھے، جن مذہبی لیڈروں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی ان کے مذہبی اور سیاسی وارثوں کے زیر انتظام دینی مدرسوں کے فارغ التحصیل تانیم فارغ التحصیل طالبان نے طالبات کے کئی مدرسوں کو تباہ کر دیا اور اپنی مرضی کی شریعت کے مطابق قوم کی بیٹیوں پر علم کے دروازے بند کر دیئے، پاکستان کی بیٹی ملالہ یوسف زئی کے لئے نوبیل امن انعام کا اعلان دراصل حقیقی اسلام کی فتح اور قائد اعظم کے مشن کی کامیابی ہے اور ہتھیار بردار شریعت کے علمبرداروں کی ناکامی'' انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق نوبل انعام ایک سوئیڈش سائنس دان الفرڈ بن ہارڈ نوبیل کی یاد میں دیا جاتا ہے، نوبیل ۲۱/اکتوبر 1833ء میں سٹاک ہوم کے مقام پر جو کہ سوئیڈن کا دارالحکومت ہے پیدا ہوا اور 10/دسمبر 1896ء کو اٹلی میں فوت ہوا، نوبیل ایک کیمیا دان اور انجینئر تھا، ڈائنا مائٹ کا موجد اور اور سائنٹسٹ تھا، جنگی آلات، بارود اور تار پیڈ وغیرہ پر تحقیقات کرتا رہا، بالا آخر اس نے جنگی آلات تیار کرنے والی دنیا کی سب سے نامور کمپنی بوفورز کمپنی خرید لی، ڈائنا مائٹ کے تجربات کرتے کرتے اس کے بھائی کی اور تین اور اشخاص کی موت واقع ہوئی، جو اس کے تجربات کی بھینٹ چڑھ گئے۔

مرتے وقت اس نے کچھ رقم مخصوص کر کے وصیت کی کہ فزکس، فزیالوجی، کیمسٹری، میڈیسن، ادب اور امن کے شعبوں اور میدانوں میں نمایاں اور امتیازی کارنامہ سرانجام دینے والے کو اس رقم کے سود میں سے انعام دیا جائے، اس کی وصیت کے مطابق ایک فاونڈیشن بنائی گئی جس کا نام نوبیل فاونڈیشن رکھا گیا، یہ فاونڈیشن ہر سال 15/انعامات دیتی ہے، ان انعامات کی تقسیم کا آغاز دسمبر 1901ء میں ہوا جو کہ الفرڈ نوبیل کی پانچویں برسی تھی۔

نوبل انعام ایک طلائی تمغہ اور سرٹیفکیٹ اور رقم پر مشتمل ہوتا ہے، وقف کی اصل رقم (اس زمانہ کہ ایکس چینج کے مطابق) تراسی لاکھ گیارہ ہزار ڈالر تھی، وصیت یہ کی گئی تھی کہ اصل رقم بینک میں محفوظ رہے گی اور اس کے سود سے انعامات کی رقم پانچ شعبوں میں مساوی تقسیم کی جائے گی، ہر شعبہ میں اگر ایک ہی آدمی انعام کا مستحق قرار دیا جائے تو اس شعبہ کے حصہ کی پوری انعامی رقم اس کو دی جائے اور اگر کسی شعبے میں ایک سے زائد افراد کے نام (جن کی تعداد تین سو سے زیادہ کسی صورت نہیں ہونی چاہیے) انعام کے لئے تجویز کیے جائیں تو اس شعبہ کے حصہ کی سودی رقم ان افراد میں برابر تقسیم کر دی جائے، ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ اگر مجوزہ شخص انعام وصول کرنے سے انکار کر دے تو اس کا حصہ اصل زر میں شامل کر دیا جائے۔

ان انعامات کی تقسیم میں تقسیم کنندگان کی کچھ سیاسی و مذہبی مصلحتیں کارفرما ہوتی ہیں اور جن افراد کو ان انعامات کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، ان کے انتخاب میں بھی یہی مصلحتیں جھلکتی ہیں، چنانچہ ان سینکڑوں افراد کے ناموں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالئے جن کو نوبل انعام سے نوازا گیا تو ان میں آپ کو سب کے سب یہودی، عیسائی، اور دہریئے نظر آئیں گے،سویڈن کے منصفوں کی نگاہ میں پوری صدی میں ایک مسلمان بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو طب، ادب، طبعیات وغیرہ کے کسی شعبہ میں کوئی اہم کارنامہ سرانجام دے سکا ہو، ہر شخص منصفان سویڈن کی نگاہِ انتخاب کی داد دے گا، جب وہ یہ دیکھے گا کہ رابندناتھ ٹیگور ہندو کو بنگالی زبان کی شاعری پر، جاپانی ادیب کو اپنی زبان میں ادبی کارنامے پر اور جنوبی امریکہ کی ریاستوں کے باشندوں کے اپنی زبان میں ادبی کارناموں کو مستند سمجھتے ہوئے لائق انعام سمجھا گیا،لیکن ہندوپاک کے کسی ادیب، کسی شاعر اور کسی صاحب فن کی طرف منصفان سویڈن کی نظریں نہ اٹھ سکیں کیوں صرف اس لئے کہ وہ مسلمان تھے؟؟ مثال کے طور پر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانا تویؒ اور سرسید احمد خاںؒ کو لے لیجئے جن دونوں نے ہندوستان میں تعلیم کے فروغ کے لئے کس قدر اہم کارنامہ انجام دیا ہے ہندوستان میں دینی اور عصری تعلیم کے فروغ کا سہرا انہی دونوں شخصیتوں کے سر جاتا ہے، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کو لیجئے، پوری دنیا میں ان کے ادب وزبان کا غلغلہ بلند ہے، انگلستان کے نامور پروفیسروں نے ان کے ادبی شہ پاروں کو انگریزی میں منتقل کیا، لیکن وہ نوبل انعام کے مستحق نہیں گردانے گئے ہیں،ہندوستان کی جن شخصیات کو اب تک یہ انعام ملا ہے ان سب کے پیچھے مغربی مفاد ہی کارفرما ہے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے اسی انعام میں دیکھ لیجئے کیلاش سیتارتھی کو حقوق اطفال کی جنگ لڑنے کے لئے یہ ایوارڈ دیا گیا ہے کیوں کہ بچوں کے حقوق کے تئیں ان دنوں یورپ میں سرگرمیاں تیز ہیں، ورنہ اور بھی لوگ ہیں جو ہندوستان میں فروغ امن کے برسوں سے جدوجہد کررہے ہیں۔

جہاں تک بات ہے ملالہ کی تو اس کو نوبل انعام اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کے صلہ میں ملا ہے، ڈارھی، پردہ، قرآن، اسلامی تعلیمات، جہاد اور علماء کا مذاق اڑانے کے صدقے میں ملالہ کو اس منزل تک پہنچنے میں کامیابی ملی ہے، ایک اسلام دشمن کو نوبل انعام سے نواز کر مغرب نے یہ کھلا اعلان بھی کیا ہے کہ صلیبی بادشاہ گروں کے ایوارڈز اور انعام و اکرام صرف اور صرف اسلام کے ننگ دین وملت کرداروں کے لئے دستیاب ہیں، ملالہ کا سب سے بڑا وکیل گورڈن براؤن وہی ہے جس نے عراق پر حملہ کرنے کیلئے نہ صرف برطانوی پارلیمنٹ میں ووٹ دیا بلکہ دھواں دار تقریر بھی کی تھی، جس کے نتیجے میں عراق پر وہ جنگ

مسلط کی گئی جس نے لاکھوں لوگوں سے صرف تعلیم کا نہیں بلکہ زندگی کا حق بھی چھین لیا۔

ملالہ کے تیئں امریکہ اور یورپ کی اس تمام ہمدردی اور مہربانی کے پس پردہ ایک بہت بڑی سازش ہے، جس اسکول وین پر اکتوبر 2012 میں طالبان کے ذریعہ ملالہ پر حملہ کا واقعہ دیکھایا گیا تھا اس کے فرضی ہونے پر اہم ترین ثبوت آ چکے ہیں، لندن میں اس کے علاج کا سارا واقعہ بھی فرضی ہے، ملالہ کے بہانے یورپ براہ راست اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بچھا رہا ہے، بات اگر کی جائے ملالہ کے تعلیمی جدو جہد کی تو اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ سوات میں بچیوں کی تعلیم کے لئے گل مکئی کے نام سے اپنی ڈائری لکھتی تھی، جس میں اس نے بچیوں کے لیے تعلیم کی ضرورت کو اجاگر کرنے کیساتھ ساتھ طالبان کے اقدامات پر تنقید کی تھی، گل مکئی کی یہ ڈائری ایک غیر ملکی خبر رساں ادارے نے نمایاں طور پر شائع کی تھی؛ لیکن اس سے ہزار گنا آگے پاکستان کی ایک ہونہار بیٹی عافیہ صدیقی کی خدمات اور قابلیت ہے جو ان دنوں امریکی جیل میں بند ہے حقیقت تو یہ ہے ملالہ کا عافیہ سے کوئی تقابل ہی نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن عافیہ کے تیئں پاکستان حکومت خاموش ہے اس میں اتنی جرات وہمت نہیں ہے کہ وہ امریکہ سے اس کی رہائی کا مطالبہ کر سکے، پہلی مرتبہ آئی ایس آئی ایس نے امریکہ سے عافیہ صدیقی کی رہائی مطالبہ کیا ہے۔

امریکہ ملالہ کو بے شمار اعزازات واکرامات سے نواز کر اسے پاکستان کی سیاست میں لانا چاہتا ہے، ملالہ نے پاکستان کی سیاست میں آنے کا اشارہ بھی دے رکھا ہے، اس کے سیاست میں آنے کے بعد امریکہ اور یورپ کو پاکستان میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا موقع ملے گا، پاکستان کی اسلامی تحریکوں کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی، مدارس کی خلاف تحریک چلائی جائے گی۔

ملالہ کیا چاہتی ہے، اس کا نظریہ کیا ہے، اسلام سے اس کا رشتہ کیسا ہے اور مستقبل میں وہ کیا کرنا چاہتی ہے، اس کے عزائم کیا ہیں؟ وہ سب کچھ ملالہ نے اپنی کتاب آئی ایم ملالہ میں لکھ دیا ہے، چند اہم اقتباسات آپ بھی دیکھ لیں: ''سوات بدھ حکمرانوں کی مملکت تھا محمود غزنوی اپنے ساتھ اسلام لے آیا اور حکمراں بن بیٹھا، ہمیں بدھا کے مجسموں پر فخر تھا جنہیں طالبان نے توڑ دیا''۔

جنرل ضیاء الحق ایک ڈراونا شخص تھا اسکی آنکھوں کے گرد پانڈہ کی طرح سیاہ حلقے تھے اور دانت ہوشیار باش کی حالت میں کھڑے نظر آتے، میرے والد کے مطابق ضیاء الحق سے پہلے ملا ایک نشان تمسخر ہوا کرتا تھا جو شادیوں میں کسی کونے کھدرے میں چھپا بیٹھا رہتا اور جلدی واپس چلا جاتا۔

ہمارے ملک میں ہاکی ایک نمایاں کھیل رہا ہے مگر ضیاء الحق نے عورتوں کو نیکر کے بجائے ڈھیلی

ڈھالی شلواریں پہنا دیں۔

درسی کتاب دینیات کو اسلامیات میں بدل دیا گیا جو آج بھی رائج ہے، مسجد کے مولویوں نے جہاد کو اسلام کا چھٹا رکن بنا دیا، پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہا جانے لگا، ہماری درسی کتابوں میں یہودیوں اور ہندووں پر لعن طعن کی گئی۔

سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف آئی ایس آئی کے ملا نے احتجاج شروع کیا، لیکن میرے والد اس کے اظہار آزادی کے حق کو تسلیم کرتے تھے، ہمارے شہر میں لوگوں کو لالٹین جتنی لمبی داڑھی اور عورتوں کو برقع پہننے پر مجبور کیا جاتا، برقع بھی ایسا جیسے شٹل کاک کے اندر چل رہی ہوں، گرمیوں میں ایک کیتلی کی طرح لگتا ہے''۔

ملالہ نے ابھی سے وہ کام کرنا شروع کردیا ہے جو اب تک سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کا ہاتھوں انجام پا رہا تھا جس کا اہم ثبوت ملالہ کی کتاب کا یہ اقتباس ہے: ''یہ کتاب سلمان رشدی کی ''دی سیٹانک ورسز'' تھی، اور یہ نبی کی زندگی کی نقل تھی جسے بمبئی میں دکھایا گیا تھا، مسلمانوں نے بڑے پیمانے پر اس کتاب کو گستاخانہ سمجھا اور اس نے اتنا ہنگامہ کھڑا کیا کہ لوگ کسی اور چیز پر کم ہی بات کرتے، عجیب بات یہ تھی کہ کسی نے کتاب کی بارے میں اس جانب توجہ ہی نہیں دی کہ یہ حقیقتاً پاکستان میں فروخت کے لیے تھی ہی نہیں لیکن اردو اخبارات میں ایک ملاّ، جو انٹیلی جنس سروس سے قریبی تعلق رکھتا تھا، کی جانب سے متعدد مضامین میں کتاب کو نبی کی شان میں گستاخانہ قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ مظاہرہ کرنا اچھے مسلمانوں پر فرض ہے، جلد ہی پاکستان بھر کے ملاّ کتاب کی مذمت کرنے شروع ہوگئے، اور اس پر پابندی عائد کرنے لگے، اور اشتعال انگیز مظاہرے منعقد کیے، سب سے پرتشدد مظاہرہ 12 فروری 1989ء کو اسلام آباد میں ہوا جہاں امریکن سینٹر کے سامنے امریکی جھنڈے نذر آتش کیے گئے، حالانکہ رشدی اور اس کی کتاب کا ناشر برطانوی تھے، پولیس نے مظاہرین پر فائرنگ کی اور پانچ افراد مارے گئے، اس کتاب پر غصہ صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر ملکوں میں بھی تھا، دو دن بعد ایران کے رہنما آیت اللہ خمینی نے ایک فتویٰ صادر کیا جس میں رشدی کو قتل کرنے کا کہا گیا۔

میرے والد کے کالج میں اس معاملے پر ایک زبردست مباحثہ ہوا، کئی طلبہ نے مطالبہ کیا کہ کتاب پر پابندی عائد کردینی چاہیے اور اسے جلا دینا چاہیے اور فتویٰ درست ہے، میرے والد نے بھی کتاب کو اسلام کے حوالے سے ناپسندیدہ قرار دیا لیکن وہ آزادی اظہار رائے پر یقین رکھتے ہیں، سب سے

پہلے کتاب پڑھیں اور پھراس کا جواب کتاب سے کیوں نہ دیں،انہوں نے رائے دی،انہوں نے گرج دار آواز میں سوال کیا، ایسی آواز جس پر میرے دادا کوفخر ہوگا، کہ کیا اسلام اتنا کمزور مذہب ہے کہ وہ اپنے خلاف لکھی گئی ایک کتاب کو بھی برداشت نہیں کرسکتا؟ یہ تو میرا اسلام نہیں ہے''۔

یہ ہے ملالہ کی حقیقت اور اصلیت جس کا اظہار ابھی سے شروع ہو چکا ہے،مسلمان لڑکی کا لبادہ اوڑھ کر اسلامی شعائر کے خلاف ابھی سے اس نے تحریک چلانی شروع کردی ہے،اپنا آئیڈیل اور رہنما اس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کومنتخب کرنے کے بجائے یورپی اور امریکی لیڈروں کومنتخب کیا ہے،اپنی پوری کتاب میں کہیں بھی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ صلاۃ وسلام نہیں لکھا ہے۔

ملالہ نوبل امن انعام حاصل کرنیوالوں کی اسی صف میں ٹھیک ہے جس میں اسرائیل کے تین قاتل وزرائے اعظم بیگن، اسحٰق رابین اور شمعون پیرس بھی کھڑے ہیں،نوبل انعام لیتے ہوئے ان کے ہاتھ ہزاروں معصوم فلسطینیوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے،اس فہرست میں عراق ، افغانستان ، اور پاکستان میں معصوموں کی جانیں لینے والا بارک اوباما اور مسلم امہ کا سب سے بڑا دشمن ہنری کسنجر بھی کھڑا ہے، آئندہ دنوں میں ملالہ بھی یہی سب کچھ کرے گی اور انہیں مقاصد کے حصول کے لئے امریکہ اور یورپ کی ملالہ پر مسلسل مہربانی ہورہی ہے۔ (بشکریہ ''نقوش اسلام'' انڈیا)

تبصرہ کتب بقیہ صفحہ ۶۴ سے: ● **التحفة للحفاظ الكرام** ....مرتب قاری سید سلطان شاہ

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون کی مصداق ہوتے ہوئے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ ،معانی اور رسم الخط من وعن محفوظ ہیں اسی طرح قرآن مجید کے حروف اور کلمات کی ادائیگی کا طریقہ بھی محفوظ ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ تجوید کے قواعد کا جاننا فرض کفایہ ہے لیکن تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا فرض عین ہے۔قرآن مجید کے الفاظ کی ادائیگی میں شائستگی پیدا کرنے کیلئے قواعد تجوید کو جاننا ضروری ہے،اسی اہمیت کو اجاگر کرنے کی پیش نظر قراء امت نے اپنے اپنے زمانے میں تجوید کے قواعد پر مختلف کتابیں لکھی ہیں۔زیرتبصرہ کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے،عام طور پر جو تجوید کی اردو کتابیں ہیں ان میں علم قراءت کا ذکر نہیں ہوا کرتا۔قاری صاحب موصوف نے مبتدی طلباء کرام پر احسان کرکے اپنی اس کتاب میں مبادیات علم قراءت کیساتھ ساتھ علم قراءت کے پس منظر،سبعہ احرف کی تشریح اور قراء عشرہ، ان کے راویوں کے نام اور حالات زندگی ذکر کئے ہیں تاکہ طلباء کرام کا ابتداء ہی سے علم قراءت سے مناسبت اور لگاؤ پیدا ہوجائے۔قاری صاحب کی یہ کاوش قابل داد اور لائق تحسین ہے۔یہ کتاب ۱۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، قیمت درج نہیں۔(مبصر: مولانا اسلام حقانی)

اردو ترجمہ: محمد جان اخونزادہ

افغان طالبان اور نائن الیون کے تناظر میں

مولانا سمیع الحق کی نئی انگریزی کتاب

TALIBAN : As I see them

پر نومسلم برطانوی صحافیہ مریم سابق یوآنے رڈلے کا تبصرہ

معروف صحافیہ جو افغانستان میں سرحدی خلاف ورزی کی بناء پر طالبان حکومت کی قید میں رہ چکی ہیں، اور بعد میں یہی قید طالبان کے حسن سلوک اور اسلام کے روشن تعلیمات کے باعث حقیقی آزادی یعنی ظلمات سے نور کے سفر کا باعث بنی اور آپ مشرف بہ اسلام ہوکر اِن دنوں مغرب وامریکہ کو اِن کا سیاہ چہرہ مسلسل دِکھا رہی ہیں اور اسلامی تعلیمات اور اس کے روشن چہرے کے نور کو مبلغہ بن کر عام کرنے میں دن رات مصروف ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہ کی انگریزی زبان میں نئی آنے والی کتاب پر آپ نے انگریزی میں بڑے مؤثر تاثرات راقم کے نام ارسال کئے ہیں جس کا اردو ترجمہ قارئین الحق کی دلچسپی و معلومات کے لئے دارالعلوم کے فاضل ، باصلاحیت اور مستقبل کے محقق ومصنف مولانا محمد جان نے کیا ہے۔ (مدیر)

....

9/11 کے خوفناک حادثے کے چند روز بعد ہی ستمبر 2001 میں، میں پہلی بار پاکستان آئی۔ ہفتے کے اختتام تک تقریباً تین ہزار دوسرے صحافی بھی افغانستان کے پڑوسی ملک میں اتر چکے تھے۔ غیظ وغضب سے بھرا بش انتظامیہ، جو انتقام پر تلا ہوا تھا، کی طرف سے خوب زور سے جنگ کا ڈنکا بج رہا تھا۔

ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کررہے تھے کہ اصل میں ہوا کیا تھا اور امریکہ پر حملہ کیونکر ہوا؟ ہم میں سے بہت سوں کے لیے ایک مسلمان ملک سے یہ پہلا تعارف تھا۔ ہم میں سے بہت سے لوگ طالبان کے بارے سوائے چند بے وقوفانہ جھگڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ یہ معلومات بھی ان لوگوں کے ذریعے سے تھیں، جنھیں خود بھی کسی چیز کا علم نہ تھا۔ چند چیزوں کی سمجھ کے سوا، باقی ایک بڑے سطح پر مغربی پروپیگنڈے نے اسلام کی صورت ہماری نظر میں مسخ کردی تھی۔

اس لیے دارالعلوم حقانیہ کو دیکھنا بظاہر ضروری معلوم ہوتا تھا، کیونکہ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے طالبان کے نوے فی صد لوگوں نے تعلیم حاصل کی تھی، اور اسامہ بن لادن اس کے ایک سرپرست کی حیثیت سے مشہور

تھے۔اس دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق کہلاتے ہیں، لیکن افسوس کہ جس وقت میں وہاں پہنچی، وہ حکومتِ پاکستان کے افسران بالا سے اپنے چند سابقہ طلبہ کے مسائل میں سفارتی حل کی غرض سے، اعلیٰ سطحی مذاکرات کے سلسلے میں دارالعلوم سے باہر تھے۔اب جبکہ اشاعت سے پہلے مجھے اس کتاب کے پڑھنے کا قیمتی موقع ملا، تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے مزید صبر سے کام لے کر مہتمم صاحب کے آنے تک دارالعلوم میں ٹھہرنا چاہیے تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے سے میں افغانستان، طالبان اور اس کے تخیلاتی روحانی لیڈر ملا عمر کے بارے میں بہتر طور پر جان جاتی۔اس کے ساتھ ساتھ اسامہ بن لادن کے انوکھے پس منظر کو بھی اچھی طرح سمجھ لیتی۔صبر کی عادت مجھے نہیں، جس کے نتیجے میں مولانا سمیع الحق صاحب سے پھر کبھی ملاقات نہ کرسکی۔لیکن اب جب مجھے اس کتاب میں ان کی دانش سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، تو مجھے یقین ہو گیا کہ اگر ہماری ملاقات ہو جاتی، تو جارحانہ سیاسی صورت حال کا علم بہتر طریقے سے مجھے حاصل ہو جاتا، بجائے اس کے کہ مجھے ہمیشہ اس صحافی کی حیثیت سے یاد کیا جائے، جسے بغیر پاسپورٹ یا ویزہ کے افغانستان میں داخلے پر طالبان نے گرفتار کیا تھا۔

ایک عشرے سے کچھ زیادہ مدت کے بعد، اور معاملے میں بصیرت حاصل کرنے کے بعد، 9/11 کے بعد افغانستان میں جو سامنے آیا، اس کے متعلق ہماری سمجھ بوجھ کافی زیادہ تھی۔اس کتاب کو پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ جنگ صرف لاحاصل نہیں تھا، بلکہ لاکھوں لوگوں کو بغیر کسی مقصد کے زندگی سے محروم کیا گیا۔ مجھے پہلے سے زیادہ اس بات کا یقین ہوا کہ یہ ایک ایسا معرکہ تھا، جسے کسی بھی حال میں وقوع پذیر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں برطانیہ کے سب سے قریب ترین اتحادی نے پوری دنیا میں موجود اپنے بہت سے حامیوں کی اس خیر سگالی سے خود کو محروم کردیا، جو اسے نائن الیون کے بعد بڑی وافر مقدار میں حاصل ہوئی تھی۔

افسوس ہے کہ ایسے زہریلے بیانات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے،جن میں طالبان کے غیرتعلیم یافتہ، بدتہذیب اور ظالم ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا سمیع الحق کی کتاب ان لوگوں کے لیے انتہائی اہم ہے، جو نسل پرستی اور اسلام سے خوف پر مبنی مغرب کے عمومی نقطہ نظر سے مختلف تناظر میں بات سننا چاہتے ہیں۔

مصنف کہتے ہیں کہ اس کتاب کا بیشتر حصہ ان مغربی صحافیوں کے جواب میں لکھا گیا ہے جو 1997 سے 2004 تک دارالعلوم آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے بین الاقوامی میڈیا کے بارے میں اس تاثر کے نتیجے میں یہ کتاب لکھی ہے کہ وہ اسلام اور خطے کی سیاسی وجغرافیائی حقائق سے بالکل ناواقف ہے۔

مجھے شک ہے کہ مغرب کے بہت سارے صحافی یا سیاسی اور فوجی تجزیہ کار، جو اپنے ہی پروپیگنڈے کے زیر اثر اندھے ہو چکے ہیں، اس کتاب کے مندرجات سے اتفاق کریں گے، لیکن یہ کتاب طالبان، اسامہ حتیٰ کہ مولانا سمیع الحق کی نگرانی میں چلنے والے بدنام مدرسہ کے دفاع میں نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ مولانا سمیع الحق کی طرف سے بطور وضاحت لکھی گئی ہے، ایک ایسی عینک سے جو مغرب پر فوکس نہیں کرتی، اور صرف یہی ایک وجہ بھی اس کی اہمیت کے لیے کافی ہے۔

سب سے اہم ترین نکتہ جو یہ کتاب پیش کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ طالبان نے کبھی بھی امریکہ سے جنگ لڑنا نہیں چاہا، اور انھوں نے بار ہا کوشش کی کہ جنگ نہ چھیڑی جائے۔ عام طور سے ان واقعات کو تاریخی حوالوں سے مسخ کیا جاتا ہے، لیکن مولانا سمیع الحق ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ طالبان نے امریکہ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اسامہ پر افغانستان میں مقدمہ چلایا جائے، اور امریکیوں سے مطالبہ کیا تھا کہ ان کے خلاف شواہد فراہم کریں۔

میں کتاب کے تمام مندرجات سے اتفاق نہیں کرتی، اور مجھے تھوڑی بہت مایوسی بھی ہوئی، جب میں نے یہ پرانا اور گھسا پٹا واقعہ پڑھا کہ نائن الیون کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں کام کرنے کے بجائے یہودیوں نے چھٹی کی تھی۔ ان لوگوں کے ناموں پر ایک سرسری نظر، جو نیویارک میں مرے تھے، اس واقعے کی تردید کے لیے کافی ہے۔ تاہم کتاب ایک انوکھا پس منظر پیش کرتا ہے، جس تک مغربی لکھاریوں کا پہنچنا آسان نہیں، اس لیے کہ مولانا سمیع الحق کی رسائی طالبان کے اندرونی ذرائع سے ان کے انتہائی اہم تاریخی معلومات تک تھی، اور وہ ذاتی طور پر اسامہ کو جانتے بھی تھے۔ لیکن میرے لیے اس کتاب کی اہمیت اس حوالے سے ہے کہ یہ مغرب کی نظر میں دنیا کے سب سے بڑے بدنام زمانہ مدرسہ پر فوکس کرتی ہے۔ 1947 میں جامعہ حقانیہ کھولا گیا، اور اپنی نوعیت کا یہ پہلا ادارہ تھا جو مفت اسلامی تعلیم مہیا کر رہا تھا۔ تیس ہزار سے زائد طلبہ افغانستان سے یہاں آئے، یہاں سے سند فراغت حاصل کی، اور اب ان کی اکثریت طالبان کی قیادت میں شامل ہیں۔ مہتمم صاحب اب معاندانہ دام کے شکنجے میں آ گئے۔ اسامہ اور اس کے خاندان کے متعلق دلچسپ معلومات کے علاوہ، کتاب ان سوالات کے جوابات بھی فراہم کرتی ہے، جو صحافیوں نے مولانا سمیع الحق صاحب سے اسلام اور خواتین کے معاملات کے بارے میں پوچھے ہیں، اور جو اپنی اہمیت کے انتہا پر ہیں۔ جب تھکن نہ ہو اور اس کتاب کو اٹھا کر پڑھنے کے بعد آپ اسے رکھیں گے، تو اسلام، طالبان اور افغانستان میں آغازِ جنگ کے ایک مختلف پس منظر کے بارے میں آپ خوب اچھی واقفیت حاصل کر چکے ہوں گے۔ کئی حوالوں سے یہ بش اور بلیر کے ان انتہا پسندانہ بیانات کے لیے تریاق بھی ہے، جن کو آج بھی کئی لوگ الاپتے ہیں۔

جناب عبدالرزاق

شمسی تقویم تاریخ کے تناظر میں

سورج جہاں روشنی اور توانائی کا اہم ذریعہ ہے وہاں ماہ وسال کے حساب کتاب کا اہم ذریعہ بھی ہے۔

هوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً وقدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک (چمکتا) اور چاند کو چاندنا اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تا کہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب (سورۃ یونس آیت ۵) زمین کی دو حرکتیں ہیں محوری اور مداری محوری گردش سے لیل ونہار کا تسلسل قائم ہے جبکہ محوری گردش سے ماہ وسال کا پہیہ گھومتا ہے زمین سورج کے گرد یہ چکر ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۵.۵ سیکنڈ میں مکمل کرتی ہے اور اسی عرصے کا نام شمسی سال ہے شمسی سال کی بنیاد شمسی تقویم میں آجکل ۱۲ مہینے شمار ہوتے ہیں جو ۳۰ یا ۳۱ دنوں پر مشتمل ہوتے ہیں فروری کا مہینہ ۲۸ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہم چونکہ شمسی سال کو ۳۶۵ دن کا شمار کرتے ہیں اس لئے ہمارا سال اصل شمسی سال سے تقریباً ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۵ سیکنڈ کم ہے اور یہ کمی سال بہ سال زیادہ ہوتی ہے جو چار سال میں تقریباً ۲۴ گھنٹے ہو جاتے ہیں اس مسئلے کے حل کے لئے بادشاہ جولیس سیزر نے ہر چوتھے سال کو لیپ سال قرار دیا لیپ سال فروری کے ۲۸ دنوں میں ایک دن اضافے کا نام ہے اس قسم کا سال صحیح سال سے بقدر ۱۱ منٹ اور ۱۴ سیکنڈ اوسطاً بڑھ جاتا ہے اور یہ زیادتی ۱۰۰ سال کے عرصے میں جمع ہوئے ایک دن کے قریب ہو جاتی ہے اس لئے ہر صدی کا لیپ سال سادہ سال شمار کر کے زیادتی کے برابر کر دیا جاتا ہے یعنی ۱۰۰ء، ۲۰۰ء، ۳۰۰ لیپ سال شمار نہ ہوں گے اس ترتیب پر چلنے سے تھوڑی تھوڑی کمی واقع ہوتی جو ۴۰۰ سال کے بعد ۲۴ گھنٹوں کے برابر ہو جاتی ہے اسلئے ۱۰۰ یا ہر وہ صدی جو ۴۰۰ پر تقسیم ہو جائے تو صدی کا وہ سال لیپ شمار ہو گی یعنی ۴۰۰، ۸۰۰، ۱۲۰۰، ۱۶۰۰، ۲۰۰۰۔ شمسی تقویم کی مثال آجکل کی عیسوی تقویم ہے جو پوپ گریگوری iii نے 1582ء میں Julion تقویم کو دوبارہ مرتب کر کے بنایا تھا۔

---

* سابق پرنسپل تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول اکوڑہ خٹک

جدید شمسی تقویم کی مختصر تاریخ:

جدی شمسی تقویم کو گریگورین کیلنڈر بھی کہا جاتا ہے جب روم عالمی قوت کی صورت میں ابھرا تو اس وقت ان کو کیلنڈر بنانے کی سوجھی اس وقت انکے کیلنڈر بنانے میں بہت مشکلات پیش آئی کیونکہ توہمات نے انکی زندگی اجیرن کر دی تھی توہمات میں اس قدر جا چکے تھے کہ اعداد و شمار میں بھی خوش قسمت اور بد قسمت عدد کا تصور تھا 30 کا ہندسہ ان کے ہاں مسخ سمجھا جاتا اس لئے ان کے مہینے ۲۹ یا ۳۱ دنوں پر مشتمل ہوتے سوائے فروری کے جو ۲۸ دنوں پر مشتمل ہوتا ان میں ۴ مہینے ۳۱ کے ہوتے اور ۷ مہینے ۲۹ دنوں کے اور فروری کے ۲۸ کے ساتھ یہ ۳۵۵ دن کا سال بنتا اس لئے وہ ہر دوسرے سال ۲۲ یا ۲۳ دنوں کا ایک مہینہ کیلنڈر میں اضافہ کرتے تا کہ سورج کے سال کے برابر ہو جائے اس مہینے کا نام excedonious تھا۔

قدیم رومی بھی عربوں کی طرح تاریخ کیلئے واقعات کا حوالہ دیتے تھے ۷۵۳ قبل مسیح تک رومی ab urbe condita کا حوالہ دیتے تھے اس کے علاوہ وہ بادشاہوں کے رسم تاجپوشی اور کسی بادشاہ کی حکومت سے بھی تاریخ کا حساب کتاب رکھتے۔

رمیولیس کے دور میں کیلنڈر تو بنا مگر وہ نہ مکمل طور پر صحیح تھا اور نہ ہی سائنسی بنیادوں پر بنایا گیا تھا کچھ مہینے ۲۰ کے ہوتے تو کچھ ۳۵ کے قدیم رومی تقویم قمری ہوتے مگر شمسی سال اور قمری سال کے دورانیے میں تفاوت کو نہیں سمجھتے تھے نیوما پا پولیس نے ان دونوں سالوں (شمسی اور قمری) کے دورانیے میں ۱۱ دن کا فرق نکالا اس لئے دونوں سالوں کو برابر کرنے کے لئے گاہے بگاہے سال میں چند دنوں یا مہینے کا اضافہ کیا جاتا۔

قدیم بابل والوں کا ۳۰ دنوں پر مشتمل بارہ مہینے ہوتے ان کا تقویم شمسی اور قمری سال کا امتزاج تھا۔ اور کیلنڈر کی خامی کو اضافی مہینے سے دور کیا جاتا۔ سب سے پہلے قدیم مصریوں نے قمری کی بجائے شمسی مہینے کو متعارف کرایا ان کا سال 365 دن کا ہوتا یعنی 30 دنوں پر مشتمل 12 مہینے ہوتے اور سال کے آخر میں 5 دنوں کا اضافہ کر دیتے۔

238 قبل مسیح بادشاہ Ptolemy III نے ہر چوتھے سال ایک دن اضافہ کرنے کا حکم دیا قدیم یونان میں Lunisolar کیلنڈر رائج تھا جس میں 354 دن ہوتے تھے، 70 قبل مسیح میں رومی تقویم میں 10 مہینے ہوتے تھے ان کا سال 304 دن پر مشتمل ہوتا اور ان کا سال مارچ کے مہینے سے شروع ہوتا۔ 70 قبل مسیح ہی میں اس میں دو مہینوں جنوری اور فروری کے مہینے بڑھا دیئے گئے۔

45 قبل مسیح میں ماہر فلکیات Sosigenes کے کہنے پر جولیس سیزر نے خالص شمسی تقویم کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کیلنڈر کو جولین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ تقویم 365 دن کا ہوتا اور ہر چوتھے سال ایک دن کے اضافے کے ساتھ سال 366 دن کا ہوتا۔ جولین ہی نے مہینوں کی موجودہ ترتیب مقرر کی اس سے قبل جنوری اور فروری سال کے آخری مہینے ہوتے۔ ۴۴ قبل مسیح میں Quintile مہینے کا نام بدل کر اپنے نام پر جولائی رکھا اور پھر جولیس سیزر کے بعد بادشاہ اگسٹس نے Sextile مہینے کا نام بدل کر August رکھا۔

جولین سال ۱۱ منٹ اور ۱۴ سیکنڈ حقیقی شمسی سال سے بڑا تھا۔ کئی صدیوں کے بعد 1582ء میں یہ فرق دس دن تک پہنچ گیا اس طرح چرچ کی چھٹیاں صحیح موسم میں نہیں آ رہی تھی (سال کے وہ ایام جس میں دن اور رات برابر ہوتے ان میں چرچ کی چھٹیاں ہوتی)

پوپ گریگوری xiii ایک ماہر فلکیات اور ریاضی دان کرسٹوفر کلیویس سے اس کا حل نکالنے کو کہا۔ اس نے حساب لگایا تو ہر 400 سال بعد 3 دن کا فرق آ رہا تھا، یعنی 128 سال کے بعد ایک دن کا فرق تھا، اس کیلنڈر کو درست کرنے کے لئے اس نے کچھ قوانین وضع کئے اور کچھ تبدیلیاں بھی لے آئیں۔

☆ انہوں نے دس دن جو فرق تھا، ختم کر دیا یعنی 4 اکتوبر کے بعد 15 اکتوبر قرار پایا

☆ صدی کا ہر سال جو 4 پر تقسیم ہو لیپ سال کہلائے گا۔

☆ صدی کا سال جو 400 پر تقسیم ہو لیپ سال ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ 3,223 سال بعد ایک دن کا فرق آتا تھا

اس طرح جولین کیلنڈر کا آخری ۴ اکتوبر تھا اور گریگورین کیلنڈر کی ابتداء 15 اکتوبر سے ہوئی۔

گریگورین کیلنڈر کو عیسوی کیلنڈر بھی کہا جاتا ہے۔

گریگورین تقویم کے مہینے:

گریگورین یعنی عیسوی کیلنڈر رومیوں کی ایجاد ہے اور ان کے زیر سایہ پروان چڑھا ہے، اس وجہ سے اس کیلنڈر کے اکثر مہینے دیوی دیوتاؤں یا ان کے حکمرانوں کے نام سے منسوب ہیں۔

جنوری: جنوری کا نام رومیوں کے دیوتا جینس کے اعزاز میں رکھا گیا ہے۔ اس کو بہشت کے دروازے کا محافظ دیوتا بھی کہا جاتا ہے (دنیائے معلومات ص ۱۶۰)

کئی صدیوں تک جنوری سال کا گیارہواں مہینہ رہا ہے تب اس کے دن ۳۰ ہوتے تھے، ۴۵ قبل مسیح میں شہنشاہ جولیس سیزر نے جنوری میں ایک دن کا اضافہ کیا اور اسے جینس دیوتا کی نسبت اور عقیدت

میں سال کا پہلا مہینہ بنادیا۔

رومی لوگ جینس دیوتا کو ''دروازوں کا دیوتا'' کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی Good of Gates & door ''دروازہ یا گیٹ کسی جگہ میں داخلے کا ذریعہ ہے اس لحاظ سے رومی جب نیا کام شروع کرتے تو سب سے پہلے اس دیوتا کی عبادت کرتے تاکہ جینس دیوتا کی مدد شامل رہے اور اسی نظریے کے تحت جنوری کا مہینہ بھی سال کے اول میں کردیا تاکہ اس دیوتا کے نام سے ابتداء ہو اور اس کی مدد بھی شامل رہے۔

اس دیوتا کے بارے میں یہ بھی نظریہ تھا کہ یہ دیوتا ماضی اور مستقبل دونوں کو دیکھ سکتا ہے، جس طرح دروازے کے آر پار دیکھا جاسکتا ہے۔ الغرض اس دیوتا کے مخالف سمت میں دو چہرے بنائے جاتے ہیں' ایک چہرہ ماضی (پچھلے سال) اور دوسرا چہرہ مستقبل یعنی آنے والے سال کو دیکھتا ہے۔ اس دیوتا کو محافظ اور بحر سفر کا دیوتا بھی کہا جاتا ہے، جب کوئی اس دیوتا کی تصویر بنانا چاہتا ہے تو ۳۰۰ کا عدد ایک ہاتھ اور ۶۵ کا عدد دوسرے ہاتھ پکڑا دیتا ہے جو سال کے ۳۶۵ دنوں کو ظاہر کرتا ہے۔

جینس جس پہاڑ پر عبادت کرتا تھا، اس کا نام Janiculam تھا جو روم کے ان سات پہاڑوں میں سے ایک ہے جس پر روم بنا ہے۔ چونکہ جینس دروازوں اور گیٹ کا دیوتا ہے۔ تو ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ روم کا ہر دروازہ اس کے کنٹرول میں خاص طور پر Arch Way جہاں سے آرمی گزرتی ہے۔ جنگوں میں جانے کے لئے آرمی گزرتی ہے۔ جنگوں میں جانے کے لئے آرمی کو اس راستے سے گزرنا پڑتا۔ بعد میں اس دروازے پر مندر بنادیا گیا، جو Janus Quadrifront کہلاتا ہے۔ اس مندر میں ۱۲ کھڑکیاں اور ۴ دروازے بنائیں گئے جو سال کے ۱۲ مہینوں اور ۴ موسموں کو ظاہر کرتے ہیں، جنگ کے دنوں میں یہ دروازے کھول دیئے جاتے تھے تاکہ لوگ اس دیوتا کی عبادت کریں۔

فروری: فروری کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں

☆ فروری کا نام اہل روم کے ایک مذہبی تہوار فیبر یا کے نام پر رکھا گیا ہے یہ تہوار دیوتا لیو پر کس کے اعزاز میں منایا جاتا تھا لیو پر کس زرخیزی پاکیزگی اور زندگی میں خوشی کا دیوتا مانا جاتا تھا ۱۵ رفروری کو اس کے اعزاز میں ایک تہوار منایا جاتا تھا جس میں بکری اور کتوں کی قربانی دی جاتی تھی ان دونوں جانوروں کے چمڑے کو کاٹ کر ہوائی چپل یا تسمے بنا کر راہب شہر میں دوڑتا اور جو بھی راستے میں آتا اس کو اس تسمے یا چپل سے مارا جاتا اس طرح کرنے کا مقصد زمین کا پاک ہوجانا یا آدمی کا پاک ہوجانا تھا۔

☆ دوسرا یہ قول یہ ہے کہ فروری کا لفظ لاطینی زبان کی اصطلاح Februm سے لیا گیا جس کا مطلب ہے Purification یعنی انسانوں کو گناہوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کرنا۔

☆ تیسرا قول یہ ہے کہ Junu Februtis رومیوں کی زرخیزی کی دیوی تھی اور مہینے کے آخری تہوار ان کے اعزاز میں کئے جاتے تھے پیدائش کی دیوی کے نام سے بھی منسوب کیا جاتا تھا۔

☆ فروری کا مہینہ رومی دیوی فیبر یا کے نام سے موسوم ہے جو مارس دیوتا کی ماں تھی اس دیوی کو Junu Febria اور Febronia بھی کہا جاتا ہے وہ صبر اور محبت کی دیوی کے نام جانی جاتی تھی Pennik -37۔

مارچ: مارچ کا نام مارس دیوتا کے اعزاز میں رکھا گیا ہے مارس دیوتا Jupiter اور Juno کا بیٹا تھا جو تمام دیوی دیوتاؤں کا بادشاہ اور ملکہ تھی اہل روم اسے تمام دیوتاؤں سے طاقتور سمجھتے تھے ان کا باطل عقیدہ تھا کہ بارش، بجلی اور گرج، چمک سب مارس دیوتا کے ہاتھ میں ہے رومیوں میں یہ ایک نمایاں دیوتا تھا جسکی سب سے زیادہ عبادت کی گئی رومیوں کی تاریخ میں یہ دیوتا موسم، نشونما، زرخیزی اور زمین کا محافظ دیوتا مانا جاتا ہے زمین کے دیوتا ہونے کی وجہ سے موت اور زندگی کا دیوتا بنا اور آخر کار جنگوں کا دیوتا کہلایا۔

رومیوں کے افسانوی مطالعے کے مطابق مارس کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ کون جیتتا یا ہارتا ہے وہ صرف خونریزی کو پسند کرتا تھا دوسرے دیوتا حتیٰ الوسع ان سے دور بھاگتے تھے آرمی اور دوسرے لوگ جو لڑائیوں میں حصہ لیتے ہیں وہ اس دیوتا کی عبادت کرتے تھے اور ان کے خیال میں وہ دیوتا پھر انکی طرف سے لڑتے تھے۔

اپریل: اپریل عیسوی کیلنڈر کا ۳۰ دن پر مشتمل چوتھا مہینہ ہے رومی کیلنڈر میں یہ دوسرا مہینہ تھا مگر بادشاہ نیوما پاپلیس نے اس مہینے سے قبل جنوری اور فروری کو بڑھا دیا یوں یہ چوتھے نمبر پر آ گیا۔

اس مہینے کے نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

☆ اپریل لاطینی زبان کے لفظ اپریلس (Apritlis) یا Aprire سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے پھولوں کا کھلنا، کونپلیں پھوٹنا۔ (Encylopedia Mythica)

☆ اپریل کے معنی کھولنے یا آغاز کرنے والا ہے اس مہینے سے بہار کی آمد ہوتی تھی اس مہینے کا نام کسی دیوتا کے نام پر نہیں بلکہ بہار کے فرشتے سے منسوب ہے۔

☆ اپریل Aphrodite سے ماخوذ ہے جو یونان کی محبت، خوبصورتی، خوشی اور تخلیق کی دیوی مانی جاتی تھی یہ اولمپس پہاڑ کی پرکشش دیوی تھی اس کی پیدائش کے بارے میں مختلف کہانیاں ہیں جس میں ایک مشہور یہ ہے۔

جب Cronus نے Uranus سے لڑائی میں اعضائے تناسل کاٹ دیا تو اس کو سمند میں پھینک دیا تو سمندر کی جھاگ Aphro سے پیدا ہوئی (Hesiod's Theogony)

Homer's liad کے مطابق وہ نہایت کمزور اور ڈرنے والی حسین وجمیل دیوی تھی اور زیوس (Zeus) اور ڈیون (Dione) کی بیٹی تھی۔

مئی: مئی عیسوی تقویم کا پانچواں مہینہ ہے اس مہینے کا نام دیوی میا Maia کے اعزاز میں رکھا گیا رومیوں کے باطل عقیدے کے مطابق اس زمین کو ایک دیوتا Atlas نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اور میا اس دیوتا کی بیٹی تھی اس دیوتا کی سات بیٹیاں تھی جن میں میا سب سے خوبصورت اور شہرت کی مالکہ تھی زیوس اس کی محبت میں گرفتار تھا رومی تاریخ کے مطابق Atlas کی یہ ساری بیٹیاں کبوتر بن گئیں اور پھر یہ کبوتر سات ستاروں کی صورت اختیار کر گئیں اور آسمان پر دکھائی دینے والا ستاروں کا جھرمٹ مجمع النجم یعنی ساتھ سہیلیوں کا جھرمٹ وہی لڑکیاں ہیں ان سات ستاروں میں صرف ایک چمکدار دکھائی دیتا ہے کہتے ہیں کہ پہلے یہ بھی چمکدار دکھائی دیتے تھے مگر Troy کو جب یونانیوں نے قید کر دیا تو یہ ستارے غم کی وجہ سے ماند پڑ گئے۔

یونانی اساطر کے مطابق Maia بہار اور نشونما کی دیوی کے نام سے مشہور تھی۔

رومی شاعر Ovide کے مطابق May کا لفظ لاطینی ہے جو Maiores سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے بڑا بزرگ (Fasti vi -88)

جون: جون کا لاطینی نام Junios ہے ،عیسوی کیلنڈر کا چھٹا مہینہ ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جون لاطینی زبان کے لفظ iuniores سے ہے جس کا مطلب ہے چھوٹا جو Maiores (بڑا) مئی کا متضاد ہے۔

جون کا مہینہ رومن دیوی جونو دیوی کے نام پر رکھا گیا، جونو دیوی، دیوتاؤں کے سردار جیوپیٹر کی بیٹی یا بیوی تھی، اور تمام دیوی دیوتاؤں کی ملکہ ہے جونو دیوی عورتوں کی زندگی کے ہر پہلو کی دیوتھی خاص کر شادی کی دیوی (Fasti-Books)

رومن اس مہینے کو مقدس مانتے تھے اور شادی کے لئے خوش بختی اور خوش قسمتی کا مہینہ مانا جاتا تھا۔

جولائی: جولائی کا نام مشہور رومی شہنشاہ جولیس سیزر کے اعزاز میں رکھا گیا۔ زمانہ قبل مسیح میں یہ سال کا پانچواں مہینہ تھا اس لئے Quintilis کہلاتا تھا ۴۵ قبل مسیح میں اس کا نام جولائی رکھا گیا۔

جولیس سیزر روم کا بانی تھا۔ اور اس ماہ کا نام جولائی اس لئے رکھا گیا کیونکہ اس ماہ کی ۱۲ تاریخ اس کی تاریخ

پیدائش تھی، جولیس سیزر ۱۰۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ ۸۱ ق م میں اس نے رومن آرمی میں شمولیت اختیار کی۔ اور جرنیل کے مرتبے پر فائز ہوا۔ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بدولت روم کا پہلا حکمران کہلایا۔

59 BC میں قونصل کا حصہ بنے۔ 58 BC میں فرانس کے گورنر بنے۔

44BC تک وہ اٹلی فرانس اور سپین کے علاوہ یونان، مصر اور افریقہ کو فتح کر چکا تھا بڑے جرنیل کے علاوہ وہ ایک باصلاحیت سیاستدان، خوش بیان مقرر لاطینی نثر کے ہوشیار مصنف اور تاریخ دان بھی تھے، روم کی ترقی کے لئے اس نے کئی اقدامات کئے 46BC، 45 میں تقویم کے نظام کو دوبارہ مرتب کیا۔ اور اس نظام کو بہتر کیا۔

15 مارچ 44 قبل مسیح میں ہی ان کے دوستوں نے حسد کی وجہ سے روم کے سینٹ ہاؤس میں ان کو قتل کر دیا اور روم کے متعلق ان کے سپنے ادھورے رہ گئے۔

اگست: اگست کا نام مشہور رومی حکمران آگسٹس کے اعزاز میں رکھا گیا ہے۔ اس مہینے کا ابتدائی نام Sextile تھا کیونکہ سال کی ابتداء مارچ سے ہوتی۔ اس لحاظ سے یہ چھٹا مہینہ تھا' جولیس سیزر نے جب تقویم کو دوبارہ بنایا تو اس نے جولائی کا مہینہ اپنے نام سے بنا دیا تو اسکے بعد آنے والے حکمران آگسٹس نے یہ مہینہ اپنے سے موسوم کر دیا۔

آگسٹس کو جولیس سیزر نے اپنے بھائی سے گود لیا تھا کیونکہ اس کا اپنا بیٹا نہ تھا، سیزر کے بعد آگسٹس بادشاہ بنا۔ سیزر نے جو منصوبے بنائے تھے اور جن کو وہ مکمل نہ کر سکا ان منصوبوں کو آگسٹس نے اپنے انداز میں مکمل کیا۔ آگسٹس کا آخری جملہ اب بھی رومن کتابوں میں مشہور ہے I found rome a city of clay, but left if a city of marble.

ستمبر: ستمبر کا Septa سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے ساتواں۔ ابتداء میں یہ ساتواں مہینہ تھا اس لئے September کہلاتا بعدازاں کیلنڈر از سر نو مرتب ہونے پر یہ نواں مہینہ بن گیا۔

اکتوبر: رومن کیلنڈر میں اکتوبر آٹھواں مہینہ تھا۔ یہ Octa یعنی آٹھ سے ماخوذ ہے۔ اور جدید کیلنڈر میں یہ دسواں مہینہ ہے۔

نومبر: نومبر لاطینی زبان کے لفظ Novem سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ۹ واں۔ ابتداء میں یہ نواں مہینہ تھا بعدازاں گیارہواں مہینہ بنا۔

دسمبر: Deca سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے دسواں۔ آج کل یہ بارہواں مہینہ ہے۔

مولانا سعید الحق جدون*

معذور بچوں کی تعلیم وتربیت

معذور بچے ایسے غیر معمولی بچے ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی نمایاں جسمانی نقص میں مبتلا ہوتے ہیں۔ان مختلف جسمانی نقائص کے باعث یہ بچے تعلیمی، پیشہ ورانہ، جذباتی اور معاشرتی مطابقت میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ماہرین نے معذوری کی مختلف تعریفیں کی ہیں لیکن ہم یہاں مفسر قرآن علامہ ابن جریر طبریؒ کی تعریف کو بیان کرتے ہیں۔وہ اپنی تفسیر میں معذور بچوں (physicaly handicapped children) کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذہنی پسماندگی (Mental retardation)، جزوی یا کلی طور پر ذہنی وجسمانی نشو ونما میں تعطل، حواس خمسہ میں پسماندگی، معذوری کہلاتا ہے۔(تفسیر طبری: ص ۵۳، ج ۱۱)

معذور بچوں کیلئے اب خصوصی بچوں (Special children) کی اصطلاح متعارف ہوئی ہے۔لوگ ان معذور بچوں کو محتاج، اپاہج، لنگڑے، لولے، پاگل، بے وقوف، جاہل، اندھے اور بہرے، گونگے جیسے سخت الفاظ استعمال کرتے تھے۔اور ان حقیر الفاظ سے احساس کمتری کے شکار ہوتے۔ان کی عزت نفس کا خیال رکھنے اور احساس کمتری سے بچانے کے لئے ''غیر معمولی بچے'' یا ''خصوصی بچے'' کی اصطلاح متعارف ہوئی۔ان کی معذوری کو غیر معمولی پن، پسماندگی، کمی یا کمزوری سے تعبیر کی گئی۔ان کی تعلیم کو خصوصی تعلیم (Special Education) اور ان کے تعلیمی اداروں کو خصوصی سکولز (Special school) کہا جاتا ہے۔

خصوصی افراد معاشرے کا وہ طبقہ ہے، جس میں اپاہج، بہرے، گونگے، نابینے، زبان سے معذور، دماغی معذور اور ہیجڑے شامل ہیں۔دنیا کو آج اس طبقے کا خیال آیا، کہ ان کے لئے کفالت اور تعلیم وتربیت کا مناسب بندوبست ہونا چاہیے تاکہ یہ لوگ معاشرے پر بوجھ نہ بن جائیں۔جبکہ محسن انسانیت خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

---

* فاضل دار العلوم حقانیہ، لیکچرر گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول چینئی گدون، صوابی

ابن جوزی کیمطابق تین انبیاء حضرت اسحاق علیہ السلام ،حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نابینا گزرے ہیں، گیارہ صحابہ نابینا تھے ،جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ تعلیم دی ہے ۔اور تابعین میں تین کا تذکرہ کیا ہے جو نابینا تھے۔

آج ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو نابینا ہے وہ تعلیم وتعلم کا قابل نہیں ہے لہٰذا اس کو گھر میں بند کر رکھا جاتا ہے،حالانکہ جو حضرات نابینا ہوتے ہیں ان کا حافظہ بنسبت ان لوگوں کے جو بینا ہیں زیادہ تیز ہوتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور لے لیا لیکن میری دیگر صلاحیتوں سماعت، طاقت اور ذکاوت میں اضافہ کردیا۔ (لسان العرب :ص۲۰۲،ج۵)

خصوصی بچے معذوری کے باعث عام طلبہ کے لئے فراہم کی گئی تعلیم تربیت کی سہولتوں سے خاطرخواہ استفادہ نہیں کر سکتے ہیں ۔معذور بچے ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے دوسرے بچوں سے مختلف نہیں ہوتے ہیں۔لیکن جسمانی نقص یہ سوچ انہیں احساس کمتری کا شکار کرتی ہے۔جسمانی معذوری ان کی شخصیت پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے،جس کی وجہ سے وہ بچوں کے اجتماعی دھارے اور گروہی سلسلے سے کٹ جاتے ہیں۔اگر ایسے بچوں پر خصوصی توجہ دی جاسکے تو انہیں متوازن زندگی گزارنے کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔

خصوصی افراد خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔اسلام میں معذوروں کا اس درجہ خیال رکھا گیا ہے کہ ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ سے معمولی بے رخی برتنے پر سورہ عبس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیا گیا۔روایات میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردارانِ قریش کو اسلام پیش کیا،اسی اثنا میں عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ،وہ نابینا تھے،اس وجہ سے موقع کی نزاکت نہیں کر سکتے تھے۔چنانچہ آتے ہی انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا ،کہ فلاں آیت کیوں کر ہے یارسول اللہ ؟ مجھے اس میں سے کچھ سکھایئے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا ہے۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا بے وقت پوچھنا گراں گزرا، ناگواری کی وجہ العیاذ باللہ یہ نہ تھی کہ وہ معذور اور نادار تھے۔معذوروں ،ناداروں، گونگوں، بہروں، اور نابیناؤں کی قدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کرسکتا ہے؟ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا ہوگا، کہ ان سرداران قریش کو مانوس کرنے کا جو موقع میسر آیا ہے عبداللہ ابن مکتوم کو جواب دینے سے یہ ضائع ہوگا،اور عبداللہ ابن مکتوم

تو گھر کے آدمی ہیں، ان کو سمجھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہزاروں مواقع حاصل ہیں۔اس وجہ سے آپ کو یہ بات ناگوار گزری اور چیں بجبیں ہو کر منہ پھیرلیا۔اس پر سورہ عبس کی آیت نازل ہوئیں۔

روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا اور معذور صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعظیم وتکریم سے پیش آتے اور فرماتے ’مرحباًلما تبنی فیه ربی‘‘ (خوش آمدید اس کے لئے جس کی وجہ سے میرے رب نے میری عتاب کی)۔

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ معذوروں، اپاہجوں اور شکستہ حال ناداروں کا زیادہ لحاظ رکھنا چاہئے ۔ یہ لوگ خصوصی اعانت اور خصوصی توجہ کے مستحق ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عبداللہ ابن مکتومؓ کے پاس جب آتے یا جاتے تو پوچھتے ما حاجتك؟هل ترید من شيءٍ ؟ کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ آپ کسی چیز کا ارادہ رکھتے ہیں؟ قربان اس ذات پر جس کو آتے جاتے وقت معذوروں کی حاجت وضرورت کی فکر لاحق رہتی تھی۔ اس قدر خیال اس وجہ سے رکھتے تھے کہ یہ لوگ احساس کم تری اور احساس محرومی کے شکار نہ ہوں اور اس خصوصی توجہ کی وجہ سے یہ حضرات متوازن زندگی گزارنے کے قابل بن جائیں اور معاشرے کی تعمیر وترقی میں اہم کردار ادا کریں یہی وجہ تھی کہ اس نابینا صحابی عبداللہ ابن مکتومؓ نہ صرف یہ کہ تعلیم وتربیت حاصل کر کے گھر بیٹھ گئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک بھاری ذمہ داری سونپ دی کہ آپ کو مسجد نبوی کا مؤذن مقرر کیا۔آپ باقاعدہ حضرت بلالؓ کے ساتھ آذان دیتے تھے۔

مذکورہ تعلیمات قرآن وسنت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کی رہنمائی اس شعبہ میں کم نہیں ہے۔حتیٰ کہ ہیجڑے جنہیں آج معاشرہ اپنا حصہ بنانے پر تیار نہیں ہے، ان کے بھی فقہاء نے تفصیلی احکامات بیان کئے ہیں۔ان ہیجڑوں پر محنت کر کے ہم ان سے اچھے شہری بنا سکتے ہیں، معاشرے کا فعال حصہ بنا سکتے ہیں۔سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ کے بہت سے مجاہد اور جنگجو جیالے پاکباز ہیجڑے تھے۔

خصوصی تعلیم بہت انتہائی اہمیت کا حامل ہے اسی وجہ سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے لئے تگ ودو شروع ہے۔اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کے خصوصی ماہرین تعلیم خصوصی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

خصوصی تعلیم عام تعلیم کی ایک بہتر شکل ہے جس کا مقصد ان لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنا

ہے، جومختلف پسماندگیاں کے ساتھ نامساعد حالات میں جدوجہد کرتے ہیں۔خصوصی تعلیم اتنی بہتر ہوتی ہے کہ اس میں پسماندگی کی مخصوص اقسام کے لئے خصوصی تربیت یافتہ عملہ ہوتا ہے جو کہ ایسے افراد کی تعلیمی امداد کرتا ہے۔اگر ان افراد کی مدد نہ کی جائے تو ایسے افراد کا کسی حد تک معاشرتی نا قابلیت (social disability) کا شکار ہونے اور اپنی صلاحیتوں سے کم تر درجے کی زندگی گزارنے کا احتمال ہے۔

پاکستان میں بھی دوسرے مما لک کی طرح کچھ عرصے تک خصوصی تعلیم کے ادارے نہ ہونے کے برابر تھے۔آہستہ آہستہ حکومت اور مخیرّ حضرات نے خصوصی بچوں کیلئے تعلیمی ادارے کھول دیے گئے ۔ ۱۹۵۹ء میں نیشنل ایجوکیشن کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا، جس نے خصوصی بچوں کی تعلیم سے متعلق سفارشات پیش کیں ۔جوحسب ذیل ہیں۔

۱۔خصوصی بچوں کوتعلیم کے ساتھ پیشہ ورانہ تعلیم دی جائے تا کہ یہ معاشرے پر بوجھ نہ بنیں۔

۲۔رفاہی اور نجی ادارے خصوصی بچوں کی تعلیمی اور طبی ضروریات پورا کریں۔

۳۔حکومت ایسے رفاہی اور نجی اداروں کو، جوخصوصی تعلیم کے لئے کوشاں ہیں ،مالی امداد فراہم کرے۔

۴۔حکومت خصوصی تعلیم دینے والے اساتذہ کے لئے ادارے قائم کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔

قیام پاکستان سے تا حال یہ مسئلہ کافی حد تک کنٹرول ہوا ہے۔شہری علاقوں میں خصوصی تعلیم کا بندوبست ہے ،البتہ ملک کے پسماندہ اور دور دراز علاقوں کے جسمانی،ذہنی ،بصارتی اور سماعی پسماندہ اپاہج (پولیوزدہ) بچوں کی تعلیم کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں ہے۔ان پسماندہ علاقوں کو زیادہ سے زیادہ ترجیحات ملنے چاہئیں۔یہ ان بچوں کا ایک بنیادی حق ہے اور ارباب اختیار کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

خصوصی بچوں کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے جہاں حکومت کوشاں ہے وہاں رفاہی اور فلاحی اداروں کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔ان ہی اداروں نے ان بچوں کی تعلیم کے لئے مالی امداد فراہم کی۔طبی ضروریات پورا کر کے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کی۔اس وقت پاکستان میں بہت سے فلاحی اور رفاہی ادارے جسمانی ،ذہنی ،بصارتی ،اور سماعی پسماندہ بچوں کو بہتر تعلیم دلا رہے ہیں۔اور ان کی سرپرستی کررہے ہیں۔اللہ کرے یہی سلسلہ تادیر چلتا رہے۔

آپ اپنے موقر مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں

editor_alhaq@yahoo.com

افکار و تاثرات: جناب اشرف علی مروت، ڈپٹی کمشنر انکم ٹیکس ایبٹ آباد، رفیق ماہنامہ "الحق"

اس کے مرقد پر صدا اللہ کی رحمت ہو: موت یقینی ہے جس کو مشرک ، کافر، مجوسی یہود و نصاریٰ سارے مانتے ہیں یہ قانون الٰہی ہے کہ جو زندہ دنیا میں آتا ہے موت کا پیالہ بہر حال اسے پینا ہوگا میری اہلیہ مرحومہ ام اسامہ زین العابدین حافظ فرحان علی حافظ محمد احتشام الحق کی والدہ محترمہ بھی ۳؍اکتوبر ۲۰۱۴ء بمطابق ۹؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ بروز جمعۃ المبارک اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئی اور ہمیں چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحومہ مغفورہ صوم وصلوۃ کی پابند علماء کرام کی خدمت گزار اور نہایت عابدہ خاتون تھی صرف مرض کے دوران جب تکلیف زیادہ ہوئی تہجد کبھی قضا نہیں کی مجھے اور بچوں کو صبح سویرے اذان کے بعد جگا دیتی اور تاکید کرتی کہ نماز باجماعت ادا کرے فضول باتوں سے ہمیشہ گریز کرتی تسبیح ہر وقت ہاتھ میں موجود ہوتی مرحومہ مغفورہ کو رمضان المبارک میں بدہضمی اور دیگر معمولی تکلیف تھی رمضان المبارک کے ہفتہ دس دن کے بعد یرقان ظاہر ہوا جب پوری تحقیق اور ٹسٹ ہوئے تو پتہ چلا کہ گال بلڈ میں رسولی ہے اور اس رسولی نے جگر کو شدید متاثر کیا ہے جس کی وجہ سے اس کا نظام ہاضمہ اور دوسرا سسٹم مکمل طور پر مفلوج ہو جائے گا خیبر شیر پاؤ ہسپتال پشاور میں بیاپسی کے بعد اسکی صحت مزید بگڑنے لگی۔

دراصل ڈاکٹر یہ بتانے سے گریزاں تھے کہ اسکو جگر کا کینسر ہے شفا انٹرنیشنل ہسپتال اسلام آباد میں ماہر جگر کی پوری ٹیم نے دن رات ایک کر کے اسکے جگر کو بچانے کی کوششیں کی۔ لیکن موت کے خونخوار پنجے سے نہ بچا سکے مرحومہ مغفورہ نے موت سے قبل مجھے کلمہ شہادت پڑھنے کا کہا اور دو دفعہ کلمہ شہادت دہرا کر اس فانی جہاں سے ابدی جہاں کوچ کر گئی اسکو لکی مروت کے آبائی قبرستان میں اگلے دن دفنایا گیا اسکے بیٹے حافظ فرحان علی کا بیان ہے کہ جوں ہی اسکو لحد قبر میں رکھا گیا اس کا چہرہ خود بخود قبلہ کی طرف مڑ گیا سبحان اللہ۔

جناب عبدالقیوم حقانی بانی جامعہ ابو ہریرہؓ کا میں ذاتی طور پر مشکور ہوں جس نے نہ صرف اجتماعی دعاؤں کا اہتمام فرمایا بلکہ دوران بیماری قرآن پاک کے کافی ختم قرآن کر کے ایصال ثواب مرحومہ مغفورہ کو پہنچایا منافی مبشرات مزید گاؤں میں بیماری ایک چھوٹی بھتیجی دینی علوم حاصل کر رہی ہے، مرحومہ کے فوتگی کے دو دن کے بعد اس نے بتایا کہ چچی مرحومہ کو میں نے خواب میں سفید خوبصورت کپڑے پہنے اور سرخ کھیتوں میں بیٹھے دیکھا کہہ رہی ہے کہ اللہ پاک نے میرے ساتھ تو مہربانی فرمائی ہے آپ لوگ نہ روئیں میرے پیچھے ختم قرآن اور دعا کریں میں خوش ہوں۔ فوتگی سے قبل اس سیاہ کار نے خواب میں والدہ مرحومہ کو دیکھا وہ بتا رہی ہے اس نئے ملک کیلئے اللہ پاک نے شیشہ کا خوبصورت گھر ان کو دینی خدمت کی بناء پر تیار کیا ہوا ہے ہمارے سارے خاندان کے دل غمگین ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایسے منافی مبشرات سنکر دل باغ باغ ہوتا ہے اور ایسی دعا دل سے نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرقد پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے آمین اور ہم پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

مولانا حامد الحق حقانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

دارالعلوم کے شب و روز

حضرت مہتمم صاحب کی مصروفیات:

مسجدِ مہابت خان میں دارالعلوم کی نئی زیرتعمیر مسجد کے بارے میں مشاورتی اجلاس:

۱۰ردسمبر۲۰۱۴ء کو پشاور کی تاریخی مسجد مہابت خان میں مولانا طیب قریشی خطیب مسجد کی دعوت پر دارالعلوم کی زیرتعمیر جامع مسجد مولانا عبدالحقؒ کے حوالے سے تاجروں ،اہل ثروت کا مشاورتی اجلاس منعقد ہوا۔جس میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ،حضرت مولانا انوار الحق صاحب ،حضرت مولانا شیرعلی شاہ صاحب، حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب ،حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب سمیت دارالعلوم حقانیہ کے جید اساتذہ کرام اور علاقہ پشاور سے تعلق رکھنے والے معززین نے شرکت کی۔حضرت مہتمم صاحب نے زیرتعمیر مسجد کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی۔جس پر شرکائے مجلس نے ہرقسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ حضرت مہتمم صاحب نے تمام اہل خیر سے اپیل کی کہ وہ اللہ کے اس عظیم الشان گھر میں اپنی استعداد کے مطابق ہرقسم کی مالی اور جانی تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں کیونکہ یہ ایک خیبرپختونخوا کی سب سے بڑی اور تاریخی اہمیت کی حامل مسجد ہوگی۔

جامع مسجد مولانا عبدالحقؒ کے انجینئرز کی میٹنگ:

مسجد مہابت خان میں اجلاس کے بعد اگلا اجلاس مسجد کے انجینئرز کے ساتھ پشاور میں ان کے دفتر میں منعقد ہوا۔جس میں مسجد کے نقشہ جات اور پہلی چھت کی ڈیزائنگ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اجلاس میں مولانا سمیع الحق صاحب، پروفیسر محمود حقانی صاحب، جناب ڈاکٹر قیصر صاحب (اسٹرکچر انجینئر)، جناب طاہر صاحب (سول انجینئر)، جناب قاضی جاوید (کنٹریکٹر)،مولانا راشد الحق، راقم اور دیگر نے شرکت کی۔اسی طرح دوسرا اجلاس مجوزہ مسجد کے الیکٹریکل منصوبوں کے حوالے سے اکوڑہ خٹک میں منعقد ہوا،اجلاس میں پاکستان ٹوبیکو کمپنی کے کنٹریکٹر جناب سردار صاحب، جناب طارق صاحب، الیکٹریکل انجینئر امجد صاحب،اور انجینئر امین صاحب نے شرکت کی،اور زیرتعمیر مسجد کے اے سی سسٹم یا Breez Air Advance Natural Cooling کے حوالے سے تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔اور خصوصاً

مسجد کے عظیم الشان گنبد میں پنکھوں اور لائٹنگ کی تنصیب پر طویل غور وخوض ہوا۔اور مسجد کی موجودہ تعمیر پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

مہمانوں کی دارالعلوم آمد:

☆ مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن کوثر بن مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ، گزشتہ دنوں مدینہ منورہ سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، انہوں نے حضرت مہتمم صاحب کی خواہش پر دارالحدیث میں طلباء کرام کو اپنے مسلسلات کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مولانا کوثر صاحب کے ساتھ اُن کے صاحبزادے اور حافظ شہباز عالم فاروقی بھی موجود تھے۔ جبکہ اس موقع پر معروف مصنف مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب بھی موجود تھے۔

☆ مولانا عبدالرؤف فاروقی ،مرکزی سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا عبدالخالق ہزاروی ۲۱رد سمبر کو دارالعلوم تشریف لائے اور ملک کی بدلتی ہوئی سیاسی صورتحال کے بارے میں مہتمم صاحب سے تبادلہ خیال کیا۔

☆ بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ڈاکٹر حسن الامین اور وسطی ایشیاء کے امور کے ماہر ڈاکٹر عمر شوکت ساؤتھ افریقہ سے تشریف لائے۔ انہوں نے دارالعلوم کی نصابِ تعلیم اور شعبہ جات وغیرہ کا تفصیلی دورہ کیا۔

☆ ۲۹ر دسمبر کو جماعت اسلامی کا ایک وفد جناب بحراللہ خان ایڈووکیٹ، سابق صوبائی وزیر کاشف اعظم، حافظ حشمت خان، اور امداد خان خلیل نے ''شہدائے امن قومی کانفرنس'' کے سلسلے میں امیر جماعت اسلامی جناب سراج الحق صاحب کی طرف سے شرکت کا دعوت نامہ حضرت مہتمم صاحب کو دیا۔

جمعیت مجلس شوریٰ کا اجلاس:

۲۷ر دسمبر کو پشاور میں جمعیت علماء اسلام کا مجلس شوریٰ کا اجلاس حضرت مہتمم صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں سانحہ پشاور اور ملک میں دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات کا جائزہ لیا گیا۔ معصوم بچوں اور طالبعلموں کے قتل عام پر شدید مذمت کی گئی۔ اجلاس میں جمعیت کے چاروں صوبوں سے مجلس شوریٰ کے سینکڑوں اراکین نے شرکت کی۔

مہتمم صاحب کا آرمی پبلک سکول کا دورہ:

اسی روز اجلاس کے بعد مہتمم صاحب نے پشاور کے آرمی پبلک سکول کا دورہ کیا اور وہاں کے روح فرسا مناظر دیکھ کر فاتحہ خوانی کی۔ بچوں اور اساتذہ کے والدین سے اظہار ہمدردی کی اور سکول کے باہر میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس سانحہ پر میرے پاس مذمت کے الفاظ نہیں۔

ادارہ

تعارف وتبصرہ کتب

● **تجلیاتِ غورغشتوی** ....تالیف :مفتی محمد قاسم بجلی گھر

اپنے وقت کے شیخ کامل، عارف باللہ، امام المحدثین، نمونہ سلف، پیکر اخلاص وتقوی شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی قدس اللہ سرہ العزیز پون صدی تک علوم حدیث کی درس و تدریس بلا کسی مژدہ ولالچ ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ تقویٰ، اخلاص، سادگی اور معصومیت میں اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ وجود باوجود ارشاد نبوی ﷺ اذا راؤ ذکر اللہ کا مصداق تھا۔ مشکوۃ شریف کی نہایت حکیمانہ اور محققانہ شرح فقہ حنفی کے رنگ میں لکھی، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ افغانستان اور قبائلی علاقوں اور پشتونوں میں علم وحدیث کی ترویج کے سلسلہ میں انہیں ان علاقوں کا شاہ ولی اللہ قرار دیتے ہیں۔

ایسے قدسی صفت حضرات کے علوم ومعارف سوانح وافکار کی حفاظت پھر اس کی تدوین وترتیب اور ترویج واشاعت متوسلین معتقدین وتلامذہ کا اہم فریضہ ہوتا ہے۔ جس کا برصغیر ہندو پاک کے اعاظم رجال واکابر کے اخلاف اور تلامذہ حق ادا کرتے چلے آرہے ہیں مگر پٹھانوں اور افغانوں کے ہاں بوجوہ اس معاملہ میں کوتاہی برتی گئی جس کی اہم وجہ تحریر وتصنیف سے لاتعلقی، حفظ علوم ومعارف اور شخصیت کے سوانح اعمال ومشاغل کے ضبط کرنے میں عدم دلچسپی ہوتی ہے۔ یہی معاملہ شیخ وقت محدث غورغشتوی کے ساتھ بھی ہوا۔ پینتالیس سال گزرنے کے باوجود سینکڑوں اجلہ تلامذہ اور مستفیدین کے ہوتے ہوئے ان کی شخصیت سوانح علوم وافکار پر کوئی مفید کام نہ ہوسکا۔ غنیمت ہے کہ ہمارے پشتو زبان کے شعلہ بیان خطیب حضرت مولانا محمد امیر صاحب بجلی گھر جنہیں اللہ نے ساحرانہ خطابت سے نوازا تھا، معاشرہ کی خامیوں پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ قوت بیان پشتو شعروشاعری خصوصاً صوفیاء کے پشتو وفارسی کلام سے گہری دلچسپی تھی، انہیں اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث غورغشتویؒ سے گہری عقیدت، محبت سے نوازا تھا۔ ان کے مجالس میں جاتے اور ان کے جواہر علم وتصوف سے دامن بھرتے رہے۔ حضرت کے ملفوظات کا ایک ضخیم حصہ مجالس غورغشتوی کے نام سے جمع وشائع کرچکے ہیں۔ ان کے ذہین و باذوق علمی وادبی جانشین مولانا محمد قاسم بجلی گھر زید علمہ

وفیضہ کو بھی یہ عقیدت منتقل ہوگئی اور الولد سر لابیہ کے مصداق حضرت شیخ کے علوم وسوانح کے گرویدگی میں انہوں نے مسلسل بارہ سال تک حضرت شیخ کے وابستگان اساتذہ، روحانی سلسلہ سے وابستہ مشائخ کے ہاں طویل اسفار سے رسائی حاصل کی جو کچھ بھی ملا اور سنا اسے جمع کیا اور اب نئے انداز میں اس مداد کی بتویب وتنقیح کر کے اسے ''تجلیاتِ غورغشتوی'' کے نام سے پیش کررہے ہیں۔ بے شک حضرت شیخ ہمارے علاقوں کے شاہ ولی اللہ تھے۔ لیکن لاکھوں پٹھانوں اور افغانوں کے طول طویل علاقوں میں یہ سعادت مولانا محمد قاسم صاحب کو مل رہی ہے کہ وہ پٹھانوں کی طرف سے اپنے وقت کے شاہ ولی اللہ کو تجلیات کی شکل میں خراج عقیدت پیش کررہے ہیں۔

اس عظیم علمی اور تاریخی کاوش پر ہم سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہ کتاب مکتبہ مولانا بجلی گھر لالہ زار کالونی لنڈی ارباب روڈ پشاور سے دستیاب ہے۔ (مبصر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق)

● **اسلام کا نظریہ صحت اور مرض**.................**محمد اسرار مدنی**

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اصولی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ انسانی صحت اللہ کی طرف سے عظیم نعمت ہے۔ اس کی حفاظت اسلامی شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

ادارہ مجلس تحقیقات اسلامی نے انسانی صحت کے متعلق زیر تبصرہ کتاب 'اسلام کا نظریہ صحت ومرض' مرتب کی ہے۔ اس میں انسانی صحت، ماں کی ذمہ داریاں، بچے کی صحت اور مریض کی فضیلت واہمیت کے بارے میں قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات کو سلیقے سے جمع کردیا گیا ہے۔ آخری باب میں چند وبائی امراض کا تعارف، علامات، طریقہ علاج اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان سے بچاو کا ذکر ہے۔ ان امراض میں کینسر، ڈینگی بخار، شوگر، تشنج، خناق، ٹی بی، خسرہ، نمونیا، ایڈز، پولیو، گردن توڑ بخار اور یرقان شامل ہیں۔ سادہ اور آسان زبان میں صحت کے مسائل سے متعلق لکھی گئی اس کتاب کا مطالعہ ہر خاص وعام کیلئے یکساں مفید ہے۔

کتاب کے شروع میں حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے ایک زوردار تقریظ بھی لکھی ہے اور اس کے مرتب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ طباعت، کاغذ اور جلد میں بھی خوش ذوقی اور نفاست کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ صحت ومرض کے مسائل کے حوالے سے بیداری پیدا کرنے میں اسلامی تعلیمات پر مبنی یہ کتاب کلیدی کردار ادا کرے گی۔ (مبصر: مولانا اسلام حقانی)

(بقیہ تبصرہ کتب صفحہ ۴۵ پر)